لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

کوششوں کو مربوط کرنے کی ضرورت

امت محمدیہ کو دوبارہ متحد کرنے اور اسے بین الاقوامی تعلقات میں اہم کردار ادا کرنے کے قابل بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ہم آج اسلامی اور غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کا تجزیہ کریں، ان میں سے غیر اسلامی عناصر کی نشاندہی کرکے انہیں عملی زندگی سے خارج کریں اور ان کی جگہ خالص اسلامی اقدار کو جگہ دیں مجھے معلوم ہے کہ یہ کام بڑا طویل اور کٹھن ہے اسی لئے میں نے مختلف ملکوں کی انفرادی کوششوں کو یکجا کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے مجھے یقین ہے کہ اگر ہم نے تطہیر کا یہ عمل پوری سنجیدگی سے شروع کردیا تو نہ صرف ہم اپنے اپنے ملک میں اسلامی طرز زندگی کو اپنانے میں کامیاب ہوجائیں گے بلکہ عالم اسلام کو بھی متحد اور مضبوط بنا سکیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کار خیر کی توفیق عطا فرمائے، اور ہماری حقیر کوششوں کو اپنی برکتوں سے نوازے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ

از: خطبہ افتتاحیہ، نفاذ شریعت کانفرنس

روزنامہ "جسارت" ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۵ء ص ۳

۱۰ ستمبر ۱۹۸۸ء | سالانہ پینتیس ۳۵ روپئے | فی شمارہ ۱/۵۰

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226007 (India)

جب خریدیں تب اصلی

نقلی نورانی تیل ہرگز نہ خریدیں

* اگر نورانی تیل کے لیبل پر لائسنس نمبر U-18/77 چھپا ہے تب اصلی ہے
* اگر کیپسول پر ٹریڈ مارک ہے تب مئو کا اصلی نورانی تیل ہے۔

اکثر دوکاندار دو کوڑی والا نقلی نورانی تیل بیچتے ہیں۔ نقلی بنانے والے اپنا صحیح نام پتہ چھپا کر غلط طور سے ہمارا مئوناتھ بھنجن کا پتہ لکھ فراڈ کرتے ہیں اور ہمارے اصلی نورانی تیل اور ٹریڈ مارک کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں اگر نورانی تیل کے لیبل اور کیپسول پر مذکورہ علامات نہیں ہیں تو بالکل نقلی اور جعلی ہے، ڈرگ انسپکٹر سے اسکی جانچ کرالیں، دوکانداروں کے فریب میں نہ آئیں۔ مذکورہ پہچان دیکھ کر ہمیشہ مئو کا اصلی نورانی تیل خریدیں۔

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ
کٹنے، جلنے کی
مشہور دوا

انڈین کیمیکل کمپنی مئوناتھ بھنجن۔ یو۔پی

بہار نوبہار ٹانک

شربت نزلہ
کھانسی، نزلہ، زکام کے لئے

دماغین

خون صفا

چند مشہور اور پیٹنٹ دوائیں

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

بمبئی کے عوام کا فیصلہ

کیفے فردوس کی چکن تندوری کا جواب نہیں جو ذائقے میں بے مثال ہے

اس کے علاوہ۔ عمدہ چکن بریانی۔ مٹن بریانی اور دوسرے مغلائی کھانے

لذیذ و خوش ذائقہ چائینیز کھانے

مثلاً چکن جلی۔
چکن من چو سوپ
چکن من چورین

اور مزیدار ویجیٹیرین کھانے

مثلاً نورتن قورما، ویج جے پوری، ویج مکھن والا وغیرہ

نیز تازہ پھلوں کے رس اور آئس کریم وغیرہ

بمبئی میں اصل ذائقہ دار مغلائی چائنیز اور ویجیٹیرین کھانوں کیلئے صرف ایک عالیشان مقام

کیفے فردوس
جزوی ایرکنڈیشن
154- سارنگ اسٹریٹ کرافورڈ مارکٹ کے سامنے بمبئی 3
فون نمبر 324408 348634

حقہ کیلئے خوش ذائقہ
خمیرہ مشکی
ہمیشہ استعمال کیجئے

جو ہندوستان کے علاوہ
غیر ممالک میں بھی مقبول ہے

اعلیٰ و معیاری حقہ تمباکو کے مینوفیکچرز اینڈ ایکسپورٹرز

آزاد بھارت تمباکو فیکٹری

آفس:۔ نادان محل روڈ، لکھنؤ، یو۔پی (انڈیا) فون 82803

فیکٹری:۔ شیخ پور، عالم نگر روڈ، لکھنؤ، یو۔پی (انڈیا) فون 51254

RES 83429 TELEX 0535-345 AZAD.IN. GRAM, KHMIRA, LUCKNOW

پرنٹر پبلیشر جمیل احمد ندوی نے اسکائی لین جیا مئو لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء کیلئے شائع کیا۔

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شمارہ ۲۱	۱۰ ستمبر ۱۹۸۸ء مطابق ۲۷ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ	جلد نمبر ۲۵

نگران اعلیٰ
مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

خط وکتابت کا پتہ
نیجر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳
ندوۃ العلماء، لکھنؤ
انڈیا

زرِ تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے
ششماہی : پچیس ۲۵ روپے
فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر
افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر
یورپ و امریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں

اداریہ

محمود الازہار ندوی

وقت کی ایک اہم ضرورت

اسلامی ذرائع ابلاغ

اعلام یا ذرائع ابلاغ یعنی نشر واشاعت کے وسائل، پروپیگنڈہ لٹریچر، ریڈیو، ٹی وی، ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر خاص و عام کے مشاہدہ میں ہے، اور نئے افکار و خیالات کو تشکیل دینے، مزاج اور رجحانات کو بدلنے اور نیا موڑ دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، وہ ایک ایسے ماحول کو جنم دیتا ہے جو اسی کا رسیا ہو اور پورا ماحول اسی کے رنگ میں رنگ جائے جو اس کے تابع ہو، اور اس کی خصوصیات کا متحمل ہو۔

اعلام کے ذریعہ معاشرت تبدیل کی جاتی ہے، اور اس کو نئے رُخ پر ڈالا جاتا ہے، مسائل کا حل ڈھونڈا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ مخالفین کے لئے مشکلات پیدا کی جاتی ہیں، اسی طرح اس کے ذریعہ سیاسی واقتصادی مسائل کا حل بھی تلاش کیا جاتا ہے، الغرض اعلام ایک ایسی دو دھاری تلوار ہے جس سے تعمیر کا بھی کام لیا جاتا ہے اور تخریب کا بھی۔ اس کے ذریعہ وہ مقاصد بھی حاصل کئے جاتے ہیں جو فوج اور جدید اسلحے کے ذریعہ نہیں حاصل کئے جا سکتے ہیں، حتیٰ کہ تعلیم و تربیت کا اہم کام بھی اس سے لیا جاتا ہے، بس فرق یہ ہے کہ یہ تمام امور ان اداروں کی پالیسی اور مفادات سے وابستہ ہوتی ہے، جن کا ان پر کنٹرول ہوتا ہے اور وہی خبریں اس سے نشر ہوتی ہیں جو ان کی پالیسی کے مطابق ہوں، وہ جس کی حمایت کرنا چاہتے ہوں جس سے انکا مفاد وابستہ ہو اور مستقبل کے خطوط متعین کرتے ہوں۔

ان وسائل کی افادیت و اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے بہت سے مذاہب نے ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا اہم ذریعہ بنا رکھا ہے، وہ اس کے ذریعہ لسانی اور ثقافتی ایسی تبدیلی لانے کی کوشش کر رہے ہیں جس سے دوسرے مذاہب کا تشخص ختم ہو جائے، ان کے ذریعہ ایک بڑی آبادی کو اپنے خیالات و افکار سے روشناس کر رہے ہیں اور اس کو فروغ دے رہے ہیں نصرانیت یہودیت اور ہندو مذہب سب کے سب زیادہ سے زیادہ نشریاتی اداروں پر قابض ہیں اور اس کے وسائل کو اپنے فکر و مذہب کو فروغ دینے میں صرف کر رہے ہیں۔

اعلام کی اہمیت حکومتیں بھی تسلیم کرتی ہیں اسلئے وہ اسکو اپنا سب سے بڑا آلۂ کار بناتی ہیں وہ اس کے ذریعہ ذہنوں کو متاثر کرتی ہیں اور جس ذہن و ماحول میں وہ عوام کو رکھنا چاہتی ہیں انکو اپنی طاقت و اثر کے طے کردہ نظام میں ریڈیو کے ذریعہ محدود کر دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں عوام، وہی سنتے ہیں جو وہ چاہتی ہیں اور وہی سمجھتے اور مانتے ہیں جو وہ سمجھانا اور بتانا چاہتی ہیں اعلام کی اسی اہمیت وافادیت کو تسلیم کرتے ہوئے سابق امریکی صدر جیمی کارٹر نے کہا تھا کہ نشریات و پروپیگنڈہ پر ایک ڈالر خرچ اور اسلحہ پر دس ڈالر صرف کرنے سے کہیں زیادہ مفید اور زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے۔

دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اعلام کو مستقل ایک مقام دے رکھا ہے اور یہود ونصاریٰ نے تو اس قسم کے اداروں پر قبضہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے وہ اس کے ذریعہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں

ہندوستان کو لیجئے یہاں کے اخبارات و رسائل، ریڈیو اور ٹی وی اپنے پروگرام کو اس طرح مرتب کرتے ہیں —— جس سے ہندو مذہب کو فروغ حاصل ہو، ہندو احیائیت کو تقویت پہونچے اور ان ہی خطوط پر معاشرہ تشکیل پائے۔

یہودیوں کو لیجئے دنیا کے اکثر اخبارات ان کے زیر اثر ہیں جس کا اعتراف خود مسیحی کرتے ہیں، مسیحی انجمن کے ایک ماہنامہ کا کہنا ہے کہ یورپ کی موجودہ سیاسی صحافت پر زیادہ تر یہودی قابض ہیں جب کوئی ادیب، صحافی یا مضمون نگار سیاست پر تنقید کرتا ہے تو یہودی اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور فوراً یورپ کی سیاسی صحافت اس پر برس پڑتی ہے،

دل بگڑ چکا ہے

• بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی

اما بعد : فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ٥ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ٥

وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

وعظ کہنے والے کے پاس دل ہونا چاہئے، بیان کرنے کے لئے دل کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سامعین کے لئے بھی دل کی ضرورت ہے آج جو ہم لوگوں کو نفع نہیں ہو رہا ہے، ہماری اصلاح نہیں ہو رہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے قلوب مریض ہیں اور ہم باطنی اعتبار سے بیمار ہیں، بیان کرنے والوں کا یعنی ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہمارے دل صحیح معنوں میں دل نہیں ہیں، دل تو وہی ہے جس کے اندر اللہ کا خوف ہو اللہ کی محبت ہو اور وہ اللہ ہی کے لئے بولے اور کوئی دوسری غرض اسمیں شامل نہ ہو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں تشریف لائے اور جتنے پیغمبر اور رسول آئے ان کا قول قرآن میں موجود ہے، وہ تبلیغ کرتے تھے اللہ کے دین کی دعوت دیتے تھے، اللہ کی طرف بلاتے تھے اور قوم سے یہ فرماتے تھے کہ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجریَ الا علیٰ رب العالمین

اور میں تم سے (اس تبلیغ پر) کوئی (دنیوی) صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

جو اللہ کے خاص بندے ہیں اور اللہ کے ولی ہیں جو نبی کے صحیح معنوں میں جانشین ہیں۔ ان کے قلب میں وہ دولت ہے اور ان کے دل کے اندر وہ نعمت ہے جس کی خبر نہ کسی بادشاہ کو ہے نہ امیر کو، اور وہ دولت تعلق مع اللہ کی دولت ہے۔ ان کو اللہ سے تعلق ہے اور اللہ سے نسبت ہے۔ ان کے دل میں اللہ کی محبت ہے اس لئے وہ دنیا ومافیہا سے مستغنی ہوتے ہیں۔ مردار دنیا کو تو وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، ان کا بھروسہ اللہ پر اور ان کا اعتماد اللہ ہی پر ہوتا ہے وہ مخلوق پر نظر نہیں رکھتے اور اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ ان کو بلوایا جاتا ہے۔ تو بولتے ہیں، ہمارے اکابر کا بھی یہی حال تھا کہ مدتوں انہوں نے مجاہدہ کیا خلوت میں رہے، اللہ کا ذکر کرتے رہے اہل اللہ کی صحبت میں رہے، اور گونگے بنے رہے جب بولنے کا حکم ہوا تب بولے اور پھر ایسا بولے کہ ان کے بولنے سے نہ معلوم کتنے مردہ قلوب زندہ ہو گئے۔

حضرت غوث پاک سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" کہ میرے مولا میں تو گونگا تھا بولنا جانتا ہی نہیں تھا آپ مجھے مخلوق کے درمیان لائے اور مجھ کو بولنے کا حکم فرمایا، سو یا اللہ! میرے بولنے سے مخلوق کو نفع ہو اور اگر میرے بولنے سے مخلوق کو نفع نہ ہو تو پھر اسی گمنامی کی حالت میں لوٹا دے دیکھئے حضرت غوث پاکؒ کس طرح دعا فرما رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ " میں تو گونگا تھا اور خلوت وگمنامی میں تھا آپ مجھ کو خلوت سے جلوت میں لائے اور بولنے کا حکم فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ اللہ کے حکم سے بولتے ہیں، اسوجہ سے ان کے بولنے سے جو نفع ہوتا ہے وہ دوسروں کے بولنے میں نہیں ہوتا پھر یہ کہ اہل اللہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ خود بھی اس پر عامل ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی عملی زندگی ہوتی ہے، ان کے حرکات وسکنات، اخلاق ومعاملات اور رفتار، گفتار کردار سب شریعت کے سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں وہ فانی فی اللہ ہوتے ہیں، اللہ ورسولؐ کی مرضی میں اپنے کو فنا کئے رہتے ہیں اور فنا فی اللہ کا مقام جس کو کہتے ہیں وہ ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ان کے بولنے سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے

ہمارے اکابر ایسے تھے کہ ان کے بولنے میں عجیب اثر ہوتا تھا کیسے کیسے فاسق وفاجر تائب ہو کر اپنی زندگی کو سنوار لیتے تھے اور ان کی دنیا بدل جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ایسا ہوتا تھا کہ جب جہنم کا ذکر فرماتے تھے تو معلوم ہوتا تھا جہنم نگاہوں کے سامنے آگئی، اور جب جنت کا ذکر فرماتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنت نگاہوں کے سامنے آگئی۔ یہ تھا وعظ اور یہ تھی نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ہم لوگ کیا بولیں ہمارے دل تو خود ہی بیمار ہیں اور ہم باطنی مریض ہیں۔ ہم داعی بنے ہوئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم صحیح معنوں میں داعی نہیں، جب تک آدمی نفس سے نہ نکل جائے اور اس کا بولنا اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو جائے یعنی بولنے سے اس کا اور کوئی مقصد نہ ہو، نہ مخلوق کی رضا مقصود ہو، نہ مال ودولت مقصود ہو، نہ جاہ ومنصب مقصود ہو، بس صرف اللہ کی رضا ہی مقصود ہو اس وقت تک وہ صحیح معنوں میں داعی الی اللہ نہیں ہو سکتا ہمارے اکابر ایسے ہی تھے انہوں نے سب کو مٹا دیا ہر خیال کو دل سے ہٹا دیا اور صرف ایک اللہ کو پکڑ لیا، اللہ کی ذات سے ہی ان کا تعلق تھا اور بس۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا

اے نبی! ہم نے بیشک آپکو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ مومنین کو بشارت دینے والے ہیں۔ اور کفار کو ڈرانے والے ہیں اور سبکو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض وقت بولتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کیا بولو اور پھر خصوصاً اہل علم کے سامنے تو اور زیادہ شرم معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ بیان کرنے کے واسطے دل کی ضرورت ہے اور دل بڑی مشکل سے دل بنتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر آج صحابہ موجود ہوتے تو آج کل کے مسلمانوں کو وہ کافر کہتے اور اس زمانہ کے مسلمان اگر حضرات صحابہؓ کو دیکھتے تو ان کو مجنون بتاتے یعنی ان پر اللہ کا اس قدر خوف طاری رہتا تھا کہ اپنے ہوش وحواس میں نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ان کی کیفیات کا اندازہ آجکل کے لوگ کر ہی نہیں سکتے، اس لئے ان کی حالت دیکھ کر ان کو مجنون سمجھتے چنانچہ ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی چاند یا سورج میں گہن لگ جاتا تھا تو وہ اللہ کی عبادت کی طرف دوڑ پڑتے تھے اور خوف سے ان کے چہرے زرد پڑ جاتے تھے اور اللہ کے سامنے گریہ وزاری کا ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ اس قسم کی چیزوں سے وہ عبرت حاصل کرتے تھے اور اللہ کی طرف رجوع ہوتے تھے۔ آج دیکھ لیجئے کہ ہم میں وہ عبرت باقی ہے نہ نصیحت باقی ہے ہمارے سامنے کیسے کیسے واقعات گذر جاتے ہیں لیکن ہم پر ایسی غفلت چھائی ہے کہ ہم ذرا بھی عبرت ونصیحت نہیں حاصل کرتے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ عبرت اور نصیحت ہی کیلئے بیان کئے ہیں اور شب وروز جو حوادث آتے رہتے ہیں وہ بھی عبرت ہی کے لئے ہیں لیکن آج بڑی سے بڑی بات ہو جاتی ہے مگر ہم اس سے ذرا بھی سبق نہیں لیتے۔

بات یہ ہے کہ اس کیلئے دل کی ضرورت ہے اور ہمارا دل بگڑ چکا ہے، قلب سلیم کی صفات اس کے اندر باقی نہیں رہ گئی ہیں۔ ورنہ ہم ضرور نصیحت حاصل کرتے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہٗ قلبٌ او القی السمع وھو شھیدٌ ٥

اسمیں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس فہیم دل ہو یا وہ کم از کم دل سے متوجہ ہو کر بات کی طرف کان ہی لگا دیتا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے دل ہے وہی نصیحت حاصل کرتا ہے، دل ہی تمام اعضا کا بادشاہ ہے، سارے اعضا اسی کے موافق کام کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ : الا ان فی الجسد لمضغۃ اذا

(بقیہ : صفحہ ۱۵ پر)

حیرت ہے کہ یہودی قلت تعداد کے باوجود مغربی ذرائع ابلاغ پر چھائے ہوئے ہیں، اس کا سبب ان کا منظم پروگرام اور لائحہ عمل یا باہمی تعاون ہے یا یہ کہ انہوں نے کثیر دولت خرچ کرکے مغربی صحافت کو ایک طرح سے خرید لیا ہے۔ بہر حال یہود اس لحاظ سے مطمئن ہیں کہ انہوں نے عالمی رائے کو اپنے حق میں ہموار کرکے اپنے مشن کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے انہیں یقین ہے کہ وہ مغربی صحافت کے بل بوتے پر اپنے سیاسی مقاصد بہتر طور پر حاصل کر سکیں گے چنانچہ "ریکرون" نامی ایک یہودی مذہبی پیشوا (حاخام) نے کہا تھا اگر سونا اول درجے کی قوت ہے تو صحافت دوسرے درجے کی، اور دوسری طاقت پہلی طاقت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی ہے ہمارا فرض ہے کہ جو لوگ قلبی طور پر رشوت لینے پر آمادہ ہوں انہیں خوب رشوت دیں جب ہم صحافت پر قابض ہو جائیں گے تو پھر خانگی اخلاق و اقدار، دین اور ہر قسم کے معیار فضیلت کو تباہ کرکے رکھ دیں گے۔

عیسائیوں کو لیجئے وہ کس طرح اپنے مذہب کی تبلیغ خالص اسلامی ممالک میں کر رہے ہیں۔ مصر۔ سوڈان۔ نائجیریا۔ الجیریا بنگلہ دیش، پاکستان۔ ملیشیا۔ انڈونیشیا۔ لبنان اور نہ معلوم کتنے ایسے ممالک ہیں جہاں انہوں نے اپنا جال نہ بچھایا ہو تعلیم پر وہ قابض ہیں اعلیٰ عہدوں تک ان کو رسائی حاصل ہے، اور ان عہدوں تک صرف ان ہی کو رسائی حاصل ہوتی ہے جو ان کے راستے اختیار کرتے ہیں، ان کے قبضے میں اس وقت ۱۶۵۰ ریڈیو ٹی وی اسٹیشن ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ۲۹۴۰۰ اخبارات و رسائل ہیں جن کے ذریعہ وہ عیسائیت کو فروغ دیتے ہیں اور صرف سال گذشتہ انجیل کے ۱۱۲ ملین نسخے طبع کرا کے تقسیم کئے گئے۔

اب ذرا مسلمانوں کو لیجئے ان کے کتنے اخبارات و رسائل ہیں جو مذہب کو فروغ دینے کا کام انجام دے رہے ہیں، اسلام کی تبلیغ کے لئے ممالک عربیہ اور اسلامیہ کے اسٹیشنوں سے صرف جز وقتی نشریات ہوتی ہے اور ان کا دائرہ بھی محدود ہوتا ہے، سال گذشتہ افریقی مسلمانوں کی تنظیم نے سیرالیون جہاں پچہتر فیصد مسلمان ہیں ۵۰ کیلوواٹ کا ایک ریڈیو اسٹیشن اس غرض سے خریدا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اسلامی تعلیمات و اخلاق و ثقافت سے اس خطہ کے مسلمانوں کو روشناس کرائیں کاش اس قسم کے اقدامات دوسرے اسلامی ممالک بھی کرتے اور اپنے اسٹیشنوں کو اسلامی امور کے لئے مختص کر دیتے یا ان کا معتدبہ حصہ اس کے لئے وقف ہوتا، کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں جو نشریات اسلامی امور سے متعلق ہوتی ہیں ان کا وقت بہت ہی محدود ہے۔

اس وقت عالمی ذرائع ابلاغ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دل کھول کر زہر اگل رہا ہے اور وہ ہر وہ کام کرنے کے لئے تیار رہتا ہے جس سے اسلام کی صحیح تصویر سامنے نہ آئے، اور اسلامی حقائق کو مسخ کیا جا سکے اس وقت اس میں زیادہ اُبال آیا ہوا ہے اور اسلام کے خلاف بے دھڑک اپنے دل کے کینہ و بغض کو ظاہر کیا جا رہا ہے، برصغیر میں جب سے بنگلہ دیش کے صدر حسین محمد ارشاد نے اسلام کو سرکاری طور پر تسلیم کیا ہے اور اسلام کو درسیات میں شامل کیا ہے، اس وقت سے اسلام دشمنی میں بہت تیزی آگئی ہے، اور جو رہی سہی کسر تھی وہ جنرل ضیاء الحق کی شہادت کے بعد منظر عام پر آرہی ہے اور اسلام کے خلاف ہر محاذ پر زہر اگلا جا رہا ہے۔ میڈیا کی اہمیت کو رابطہ عالم اسلامی نے محسوس کرتے ہوئے اسلامی ذرائع ابلاغ کو منظم کرنے کے لئے ترکی اور انڈونیشیا میں کانفرنسیں کیں۔ اور اسمیں بہت سی ایسی باتیں طے کیں کہ اگر ان کا عملی طور پر نفاذ ہو گیا ہوتا تو اس کے ذریعہ اسلام دشمنی کا مقابلہ کسی حد تک کیا جا سکتا تھا جاکرتا کانفرنس میں انڈونیشیا کے صدر جنرل سوہارتو جو صرف ایک مسلم سربراہ ہیں نے ذرائع ابلاغ کے عدم توازن کو تسلیم کرتے ہوئے افتتاحی کلمات میں کہا تھا "اطلاعات کی بین الاقوامی تشہیر میں عدم توازن کی وجہ سے دنیا میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور نا انصافی ہوتی ہے اور ایسی خبروں اور عالمی رائے عامہ کی بہتات ہے جو ترقی یافتہ ملکوں کے مفادات سے وابستہ ہوتی ہیں انہوں نے اسمیں کہا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں ایقان پیدا ہونا چاہیئے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے انہیں دنیا کو قائل کرنا چاہیئے اور اس کے لئے ذرائع ابلاغ نہایت موثر ثابت ہو سکتا ہے اس اہمیت کو رابطہ کے مرحوم سکریٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان نے محسوس کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسلم ممالک کے خبر رساں اداروں کو نئے صحافتی اصولوں کے پیش نظر اسلامی برادری کے مفاد میں کام کرنا چاہیئے

میڈیا اہمیت و ضرورت اور نیز شواہد کو سامنے رکھنے کے بعد یہ ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلام دشمن طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ اور نشریاتی اداروں اور خبروں کے جدید وسائل ترسیل کو اسلام کے حق میں مفید بنائیں تاکہ اس کے ذریعہ وہ مذہب اسلام اور اسلامی عبادات، اسلام کی اجتماعی و انفرادی تعلیمات و خصوصیات نیز اسلامی تہذیب و ثقافت سے دوسروں کو واقف، اور روشناس کرا سکیں اور اپنے وجود کو برقرار رکھ سکیں میڈیا کو اپنانے اور اس کو مفید بنانے کے لئے وہی طریقے اور وسائل اختیار کرنے پڑیں گے جو دوسری قوموں نے اس کیلئے اپنایا اور جس طرح وہ اپنے مذہب ثقافت اور تہذیب کو اس کے ذریعہ فروغ دے رہے ہیں اسی طرح اسلامی تعلیمات کو اس کے ذریعہ فروغ دیا جا سکے گا،

قرآن مجید میں ہے:

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۝

(انفال: ۶۰)

جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو۔ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے، اور خدا جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی۔

قرآن مجید نے اسلام کے دفاع کے لئے ہر قسم کی تیاری کا حکم دیا ہے قوۃ اور رباط الخیل میں وہ تمام وسائل شامل ہو جاتے ہیں جو حق کی بلندی اور دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کی جائیں، جنگ اور امن کے اسلحے میں بڑا فرق ہوتا ہے جنگ تو اسلحہ سے جیتی جا سکتی ہے لیکن لوگوں کو قائل کرنے کے لئے میڈیا ایک اہم ذریعہ ہے اور اس کے نتیجہ میں جو معاشرہ تشکیل پائیگا یا جو نظام سامنے آئے گا وہ قول و عمل کے لحاظ سے اسلامی ہوگا، اور اس کے ذریعہ اس حقیقت تک رسائی ہوگی جو وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور یہ بڑی خوش آئند بات ہوگی۔

مٹھائی کے ساتھ چٹنی بھی ضروری ہے!

حضرت شاہ محمد یعقوب مجددیؒ کے یہاں ایک صاحب تھے، مولوی لطف اللہ بڑے زاہد، بڑے تارک الدنیا، روپیہ پیسہ اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، اور پیسہ پر رات گذرنے نہیں پاتی تھی، حضرت ابوذر غفاریؓ کی دلیل دیا کرتے تھے، لیکن ان کے پاس تو روپیہ دیکھا جاتا تھا اور انتقال کے وقت بھی انہوں نے کچھ چھوڑا، لیکن یہ حضرت کچھ رکھنے کے بھی روادار نہ تھے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا، تو میں انہی کی بیچ کرتا تھا، کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے ہی ہیں، یہ غیر ہیں، ایک مرتبہ جماعت میں شریک تھے انہوں نے اقامت کہنی شروع کی۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، ایسی عجلت میں اور غیر واضح طریقہ کے ساتھ کہا کہ اچھی طرح الفاظ ادا نہیں ہوئے تھے، والد صاحبؒ نے مڑ کر فرمایا، مولوی صاحب آپ عالم ہیں ان الفاظ کو تو ذرا صفائی کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، انکو ناگوار ہوا، اور کہنے لگے میں اس سے اچھے طریقہ پر نہیں کہہ سکتا، اس سے طرفین میں کچھ انقباض ہوا۔ والد صاحب کا تخاطب کم ہوا۔ انہوں نے اپنا بستر خانقاہ سے اٹھایا اور باہر چلے گئے، بس اتنی سی بات پر اتنے برہم ہوئے کہ اتنے پرانے تعلق کی بھی پروا نہ کی، اسی طرح جالنہ کی ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب تھے، نور محمد نامی، ملتان کی طرف کے رہنے والے، پستہ قد تھے، اور نہایت زاہد متقشف قبرستان جایا کرتے تھے، جہاں کوئی خلاف شرع چیز سامنے آئی۔ خادم نے ذرا سا ہاتھ دبایا فوراً آنکھیں بند کر لیں کہ خلاف شرع چیز پر نظر نہ پڑنے پائے، ایک دن پڑھاتے پڑھاتے غصہ آیا، ایک طالب علم کو اتنا مارا کہ توبہ توبہ، یہ سب دماغ کی خشکی اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے اور دور بھاگنے کا نتیجہ ہے، ان حضرات کے واقعات کو دیکھ کر وہ حدیث سمجھ میں آئی جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا کھیل اور کرتب دکھائے اور آپ کبھی کبھی حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ بھی فرماتے تھے، اصل یہ ہے کہ مٹھائیوں کے ساتھ چٹنیوں کی بھی ضرورت ہے، حیات طیبہ، اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں مٹھائی کے ساتھ چٹنی بھی تھی، جس سے طبیعت کا اعتدال اور مزاج کی شگفتگی باقی رہتی ہے، ان حضرات نے مٹھائیاں تو لے لیں، چٹنی چھوڑ دی، میں نے اکثر گوشہ نشین زاہدوں اور صحبت و اختلاط سے بچنے والوں کو غیر متوازن اور سنکا ہوا پایا، مٹھائی کے ساتھ چٹنی ضروری ہے۔ ورنہ معدہ خراب ہو جائے گا اور طبیعت اعتدال سے ہٹ جائیگی

جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ

خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

کچھ باتیں، کچھ یادیں

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

جو لوگ راقم سطور کے افتاد طبع، مذاق و مزاج، مشاغل اور خاندانی روایات سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس کا حلقۂ تعارف و احباب، اور دائرۂ کار علمی اور فکری اور دعوتی و اصلاحی حلقوں تک محدود ہے، وہ عالم اسلام کے حالات پر اثر ڈالنے والے واقعات سے گہرے تعلق و تاثر، ممالک اسلامیہ اور خود اپنے ملک کی لائق قدر اور قابل احترام شخصیتوں کی پوری قدر شناسی اور احترام کے ساتھ ان سے ایک ایسا محدود و محتاط علاقہ اور ربط رکھتا ہے، جو اس کے علمی و تصنیفی مشاغل پر اثر انداز نہ ہونے پائے، اور اس کو ان کے فیصلوں، رویہ اور طرز کار میں شریک و ذمہ دار اور جواب دہ نہ بنا دے وہ سے اس کا عقیدہ اور عمل علامہ اقبال کے اس شعر پر ہے۔

جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

سربراہان مملکت اور اپنے ملکوں کے صاحب اقتدار اور صاحب اختیار شخصیتوں میں سے صرف شاہ فیصل مرحوم (والی مملکت عربیہ سعودیہ) کا استثناء کیا جا سکتا ہے جن سے حجاز یا حرمین شریفین اور اس سب سے بڑی عربی اسلامی مملکت کے سربراہ اور ذمہ دار ہونے کی بنا پر جو عالم اسلام کا قلب، بلد امین اور مہبط وحی ہے اس کی اسلام سے نہ صرف وابستگی بلکہ اس کی تعلیمات و اثرات کا نمائندہ اور داعی و ترجمان ہونا ضروری ہے، اور وہاں کی صورت حال عالم اسلام کے لئے مقیاس الحرارۃ والبرودۃ (بیرومیٹر) کی حیثیت رکھتی ہے، راقم سطور کے ان کی ولی عہدی اور وزارت عظمیٰ کے زمانہ میں ان سے ملاقات کی اور ان کو سرزمین مقدس پر اثر انداز ہونے والے بعض واقعات، منصوبہ بندی اور تعلیم و تربیت کے بعض پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا اور باہمی اعتماد و احترام کی فضا میں ان سے تخلیہ میں گفتگو کی، سربراہ مملکت ہو جانے کے بعد متعدد بار ان سے نجی طور پر ملاقاتیں اور گفت گو ہوئی، لیکن یہ گفتگو ہمیشہ خود انہیں کے ملک کے حالات، ضروریات، حال و مستقبل اور اداروں اور شعبوں تک محدود رہتی تھی، انہوں نے بھی اس بات کو محسوس کیا اور اس کی قدر کی کہ ان ملاقاتوں سے نہ اپنے لئے ذاتی طور پر نہ کسی تعلق رکھنے والے ادارہ یا منصوبہ کے سلسلہ میں اجتماعی طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی، انہوں نے اپنی خداداد ذہانت سے (جسمیں مشکل ہی سے ان کی مثال ملے گی) اس کی بڑی قدر کی، اور بعض اوقات جب میری طرف سے ملاقات کے لئے وقت حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہوتی تھی، ان کی طرف سے ملاقات کا اشارہ ہوتا تھا،

اس محتاط طرز عمل کا سب سے بڑا مظاہرہ پاکستان کے صاحب اقتدار اشخاص اور ذمہ داروں کے معاملہ میں ہوا۔ قیام پاکستان ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۸ء تک جب کہ مختلف ضرورتوں سے (جن میں سب سے بڑا محرک اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کا لاہور میں طویل قیام اور میرا بغرض استفادہ اور صحبت وہاں کا سفر اور ہفتوں قیام تھا) نیز اس بنا پر کہ خاندان کا تقریباً دو تہائی حصہ پاکستان میں سکونت پذیر تھا، بارہا پاکستان کا سفر پیش آیا، اس تیس سال کے عرصے میں صدر مملکت اور وزیر اعظم تو ایک طرف پاکستان کے کسی وزیر یا ذمہ دار حکومت سے ملنے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ ادھر سے کبھی تحریک ہوئی، خدا کو یہ منظور تھا کہ زندگی کا یہ آئین اور یہ مسلسل روایت صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے معاملہ میں ٹوٹ جائے۔

اس کی تقریب یہ پیش آئی کہ رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے جس کی مجلس تاسیسی کا میں روز اول سے رکن ہوں) جون ۱۹۷۸ء کے آخر میں کراچی میں ایشیائی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ اور اعلان ہوا، یہ کانفرنس ۶ جولائی ۱۹۷۸ء سے منعقد ہو رہی تھی، میں اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی کمیٹی میں شرکت کی وجہ سے حجاز ہی میں تھا، میری اس کانفرنس میں شرکت ہر طرح سے قرین قیاس تھی، اور رابطہ کے سکریٹری کی طرف سے اس کے لئے اصرار تھا، میں عزیز گرامی مولوی محمد معین اللہ صاحب ندوی کی معیت میں جو میرے رفیق سفر تھے ۵ جولائی ۱۹۷۸ء کو کراچی کے لئے روانہ ہوا۔ ہندوستان سے رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے علاوہ جو رابطہ کے مجلس تاسیسی کے رکن ہیں، میرے دو عزیز رفیق برادر زادہ عزیز سید محمد الحسنی مرحوم "مدیر البعث الاسلامی" اور مولوی اسحاق جلیس ندوی مرحوم "مدیر تعمیر حیات" کو بھی مدعو کیا گیا تھا، ہندوستان کا ایک موقر وفد بھی کانفرنس میں شریک تھا، کانفرنس کی صدارت میزبان ملک کے ایک موقر نمائندہ جناب اے۔ کے بروہی صاحب جو اس وقت وزیر قانون اسلامی امور اور جنرل محمد ضیاء الحق کے خاص معتمد اور مشیر قانونی تھے کر رہے تھے، نائب صدر کے طور پر راقم سطور اور انڈونیشیا کے نمائندہ ڈاکٹر رشدی اور فلپائن کے ابوبکر صاحب کا انتخاب ہوا، جنرل صاحب نے کانفرنس کا افتتاح کیا، عالم اسلام کے مختلف حصوں سے موقر شخصیتیں اور مجلس تاسیسی کے تقریباً تمام اہم ارکان شریک اجلاس تھے، صدر اجلاس اے کے بروہی صاحب سے میرا تعارف حجاز کی اس عالمی تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے موقعہ پر ہوا تھا جو اس سے کچھ ہی پیشتر مکہ معظمہ میں منعقد ہوئی تھی۔ انہوں نے میری بعض تصنیفات کا بھی مطالعہ کیا تھا، بروہی صاحب ہی نے جنرل صاحب سے کانفرنس کے اختتام پر ملاقات کا وقت مقرر کیا، جنرل صاحب سے کسی نے اس سے پہلے میرا تعارف کرا دیا تھا، اور ان کو حضرت سید احمد شہیدؒ سے میرے خاندانی تعلق کا علم تھا، بروہی صاحب نے جنرل صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا، کہ مولانا نے میری درخواست پر مجھے وہ دعا تلقین کی جو ان کی والدہ صاحبہ نے ان کو سکھائی تھی، اس کے الفاظ ہیں، اَللّٰهُمَّ آتِنِيْ بِفَضْلِكَ اَفْضَلَ مَا تُؤْتِيْ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ ۝

(اے اللہ مجھے اپنے فضل سے وہ بہتر سے بہتر نعمت عطا فرما جو اپنے نیک بندوں کو عطا فرمایا کرتا ہے) بروہی صاحب نے کہا کہ مجھے بہت سے بزرگوں نے مختلف وقتوں میں مختلف دعائیں اور اذکار بتلائے، لیکن اس دعا نے میرے دل کو پکڑ لیا، اور مجھ پر حاوی ہو گئی، اس پر جنرل صاحب نے فرمایا کہ میری والدہ بھی میرے لئے بڑی دعائیں اور مجھے خدمت اسلام کی تلقین کرتی تھیں، اور ان کی تمنا تھی کہ میں اسلام اور مسلمانوں کے کام آؤں، آپ مجھے بھی کوئی دعا بتلایئے جس کا میں ورد رکھوں، راقم نے عرض کیا کہ آپ درود شریف ہی کو مضبوط پکڑ لیجئے، یہی سب ضرورتوں کے لئے کافی ہے، مجھے حال میں معلوم ہوا کہ جنرل صاحب نے درود شریف کا اپنی زندگی میں خاص اہتمام کیا، مدینہ طیبہ ان کی حاضری، مسجد نبوی میں نماز اور مواجہہ شریف میں بڑے ذوق و اہتمام کے ساتھ سلام پیش کرنا اور اتنی دیر تک وہاں ٹھہرنا کہ سرکاری طور پر حفاظتی انتظامات کے ذمہ داروں کو مشکل پیش آجاتی اور وہ درخواست کرتے کہ اب آپ اپنی قیام گاہ پر تشریف لے چلیں لیکن وہ وہاں ٹھہرنے پر اصرار کرتے، یہ واقعات میں نے مدینہ طیبہ کی حاضری پر قابل وثوق ذرائع سے بار بار سنے ہیں، اسی نے اس مجلس میں حجاز مقدس، حرمین شریفین کے بارے میں (سب سے بڑی اسلامی مملکت کے صدر اور قائد افواج اور مسلمان سپاہی کی حیثیت سے) ان کو اپنی خصوصی ذمہ داری سمجھنے اور ان کی حفاظت کیلئے اپنی خدمات اور مساعی صرف کر دینے کی طرف بھی متوجہ کیا، جسکو انہوں نے بہت توجہ اور مسرت کے ساتھ سنا، مجھے اس پوری مجلس میں یہ محسوس ہوتا رہا کہ میں ایک صاحب ایمان، مسلمان سپاہی اور ایک مسلمان صدر مملکت سے گفتگو کر رہا ہوں۔ جس کا ایسا احساس مجھے متعدد ذمہ داروں اور صاحب اقتدار شخصیتوں سے ملاقات اور گفتگو کرتے میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوتا تھا

۱۹۷۸ء کے اسی سفر میں اسلام آباد میں صدر کے محل میں میری ان سے دوسری ملاقات ہوئی، اس ملاقات میں صرف جسٹس افضل چیمہ صاحب موجود تھے، جو بعد میں رابطہ عالم اسلامی کے پاکستانی دفتر کے انچارج منتخب ہوئے، اس وقت وہ مجلس قوانین اسلامی کے صدر ذمہ دار تھے، جنرل صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ آپ ہندوستان سے اچھے تعلقات رکھیں، تاکہ ہم اطمینان سے معتدل اور پرسکون ماحول میں اپنے تعمیری و تعلیمی و رفاہی کام انجام دے سکیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بالکل یہی میرا بھی خیال ہے، اور میری اس سلسلہ میں مرارجی ڈیسائی سے (جو اس وقت ہندوستان کے وزیر اعظم تھے) ٹیلی فون پر گفتگو ہوتی رہتی ہے، لیکن کیا کیا جائے یہاں لوگ جذباتی بہت ہیں، ان کے بعد کے مسلسل طرز عمل نے (جو انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک جاری رکھا) ثابت کر دیا کہ وہ اس اصول اور طریق کار کے سختی سے پابند ہیں اور نازک موقعوں پر بھی انہوں نے دماغی توازن، ضبط نفس اور حقیقت پسندی کا دامن نہیں چھوڑا،

جنرل صاحب کو جب معلوم ہوا کہ میں اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لئے ان کے آبائی وطن قصبہ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا جا رہا ہوں (مجھے معلوم ہوا تھا کہ ان کے والد صاحب کا بھی حضرت سے بیعت و ارشاد کا تعلق ہے جس کی مجھے تحقیق نہیں ہو سکی) تو انہوں نے چیمہ صاحب کو اشارہ کیا کہ وہ میرے لئے سرگودھا جانے کے لئے خصوصی ہوائی انتظام کر دیں، میں نے مصلحتاً اس کو منظور نہیں کیا، اور بطور خود ٹرین کے ذریعہ سرگودھا کا سفر کیا۔

۱۹۷۸ء کی ان دو ملاقاتوں کے بعد سے میرا جنرل صاحب سے نہ ملنا ہوا، نہ کوئی رابطہ قائم ہوا، غالباً ۸۵ یا ۸۶ میں انہوں نے استاذ محترم علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب سیرت النبیؐ کے ساتویں حصہ کا مطالعہ کیا جو معاملات اور اسلام کے نظام حکومت اور سیاست پر ہے، اور جو مختصر ہونے کے باوجود بڑی فکر انگیز، کتاب و سنت، عہد خلافت راشدہ، تاریخ اور طریقۂ حکومت کے وسیع اور گہرے مطالعہ اور اسلامی سیاسی تحریکات کے تجربات کا نچوڑ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنرل صاحب کو حکومت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور ایک اسلامی مملکت کی تشکیل جدید کے لئے ایک ایسی رہنما کتاب کی ضرورت تھی، وہ اسکو پڑھ کر بڑے متاثر ہوئے، اتفاق سے اس پر پیش لفظ اور تعارف میرے قلم سے ہے جو محترمی سید صباح الدین عبد الرحمان صاحب مرحوم ناظم دار المصنفین کے اصرار پر میں نے لکھا تھا، اور اسمیں صفائی سے لکھ دیا تھا کہ "سید صاحب کی تصنیف پر میرا مقدمہ لکھنا آثار قیامت میں سے ہے، لیکن چونکہ یہ کتاب ناتمام اور مختصر ہے۔ اس لئے اس کمی ناقص کا اس پر کچھ لکھنا قابل عفو و درگزر ہے کہ ع

"دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر"

معلوم نہیں جنرل صاحب کو سہو ہوا، یا انہوں نے اظہار تعلق و قدر دانی کا ایک راستہ اختیار کیا کہ مقدمہ نگار کیلئے حکومت پاکستان کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا، میں نے ان کی خدمت میں خط لکھا کہ میں اس عطیہ کا کسی طرح مستحق نہیں، براہ کرم اس کا نصف حصہ ادارۂ دار المصنفین کو پیش کر دیا جائے، جس نے یہ کتاب دریافت کی اور اس کی اشاعت کا انتظام کیا، بقیہ نصف حضرت سید صاحبؒ کی بیگم صاحبہ (والدہ عزیز گرامی ڈاکٹر مولوی سید سلمان ندوی سلمہ) کی خدمت میں پیش کر دیا جائے جو پاکستان ہی میں مقیم ہیں، اس کارروائی میں خاصی دیر لگی، لیکن بحمد اللہ اس کی تکمیل ہو گئی۔

جنرل صاحب سے ایک ملاقات مئی ۱۹۸۴ء میں شرق اردن، یمن اور حجاز سے واپسی کے دوران کراچی میں ہوئی، جنرل صاحب نے اس ملاقات کے لئے اپنے مجوزہ پروگرام میں کچھ ترمیم بھی کی، محترمی جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری اس ملاقات کے خاص محرک اور اسمیں واسطہ تھے، میں نے جنرل صاحب کی خدمت میں قبۃ الصخرۃ (مسجد اقصیٰ) کا وہ خوبصورت و مرمری ڈھانچہ پیش کیا جو مجھے عمان میں پیش کیا گیا تھا، اس ہدیہ میں (زبان حال سے) اس کا اشارہ بھی تھا کہ مسجد اقصیٰ کی بازیافت اور اس کا استخلاص بھی ایک صاحب ایمان، مسلم صدر مملکت کی ذمہ داریوں میں ہے۔ غالباً اسی سفر میں کراچی کے ایک کثیر الاشاعت اخبار کے نمائندہ نے مجھ سے انٹرویو لیا اور یہ سوال کیا کہ صدر مملکت نظام اسلامی کے جاری کرنے اور اس کو حقیقی معنی میں اسلامی مملکت بنانے کا عرصہ سے وعدہ کر رہے ہیں، لیکن اس پر عمل کرنے کی ابھی تک نوبت نہیں آئی، اس سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟

میں نے کہا کہ ایسے موقع پر دو رد عمل ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ کوئی مسلمان جو صورتاً بڑا متشرع نظر آتا ہو، آپ سے کہے کہ میں ایک مسجد کی تعمیر کرنا چاہتا ہوں، آپ اس سے کہیں کہ یہ صورت اور خانۂ خدا کی تعمیر؟ آپ کو کبھی مسجد میں جانے کی توفیق بھی ہوئی، اور آپ کے باپ دادا نے بھی یہ کام کیا تو اگر وہ مسجد بنانے کا ارادہ بھی رکھتا ہے تو کان پکڑے گا، اور اس ارادہ سے باز آجائیگا، دوسری شکل یہ ہے کہ آپ کہیں کہ سبحان اللہ ارادہ مبارک ہو، آپ ہی جیسے لوگوں نے مسجدیں بنائی ہیں۔ ہم بھی اس کار خیر میں شریک ہیں اور آپ کا ہاتھ بٹائیں گے، تو اگر اس کو اس کام میں تردد تھا تو وہ اس کا عزم کرے گا، اور مسجد کی تعمیر کی سعادت حاصل کرے گا۔

مجھے اس موقع پر یمن کے ایک عالم کی وہ گفتگو یاد آگئی جو حکمت یمانی کا ایک نمونہ ہے [۲]۔ یہ اسی سال (مئی ۱۹۸۴) کا واقعہ ہے، راقم سطور کو صنعاء کے ایک قدیم محلہ میں ایک یمنی عالم سے ملایا گیا جو میری عربی تصنیفات کا مطالعہ کر چکے تھے اور میرے خیالات سے واقف تھے، انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں دو راستے ہیں جن کو دینی جد و جہد کرنے والے اختیار کر سکتے ہیں، ایک یہ کہ ایمان کرسی والوں (اہل حکومت) تک پہونچا دیا جائے، دوسرا یہ کہ اہل ایمان خود کرسیوں تک پہونچ جائیں (یعنی حکومت کی ذمہ داریاں براہ راست سنبھال لیں) انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ پہلے طریق کار کو ترجیح دیتے ہیں میں نے کہا کہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا، ہمارے یہاں برصغیر میں گیارہویں صدی ہجری میں امام ربانی مجدد الف ثانی نے یہی طریق کار اختیار کیا، اور اپنے لوگوں کو حکومت کی کرسیوں تک پہونچانے یا خود پہونچنے کی کوشش کے بجائے اس وقت کے سربراہ مملکت تک ایمان کی دعوت اور حمیت اسلامی کی دولت پہونچانے کی کوشش کی اور اس کو اطمینان دلایا کہ وہ کرسی حکومت تک پہونچنے کی کوشش تو الگ رہی اس کا وسوسہ بھی دل میں نہیں لاتے، یہ کام انہیں کو کرنا ہے اور ہر طرح سے وہ اس کے اہل ہیں ان کی رگوں میں مجاہدین اسلام اور صاحب حمیت، فاتحین اور بانیان سلطنت کا خون ہے، اسی کے ساتھ اہل دربار اور اساطین حکومت سے رابطہ قائم کر کے ان کے دلوں میں دینی حمیت کا جوش اور خدمت اسلام کا جذبہ پیدا کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا جو اس سے کہیں بہتر تھا، اور جہانگیر کے بعد شاہجہاں آیا جو اس سے بہتر اور اس سے زائد پابند مذہب تھا، اور شاہجہاں کے بعد ہندوستان کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر جیسا متشرع حامی دین اور فقیہ و صالح بادشاہ آیا، جس کو ہمارے ایک اہل نظر عرب فاضل دوست [۱] نے "خامس الخلفاء الراشدین" (پانچواں خلیفہ راشد) کا لقب دیا ہے۔

جدید تجربوں نے تو اسمیں اور اضافہ کیا ہے کہ بعض جماعتیں صرف اہل ایمان کا کرسیوں تک پہونچنا ضروری نہیں سمجھتیں بلکہ اس سے آگے خاص وردی پوش اہل ایمان کا پہونچنا ضروری سمجھتی ہیں، اور اس سے کم پر راضی نہیں، جنرل صاحب مرحوم کی ملاقاتوں کے سلسلہ میں یہ جملہ معترضہ آگیا، لیکن اس سے اس صورتحال پر روشنی پڑتی ہے، جس سے ان کو اپنے پورے دور اقتدار میں واسطہ رہا ہے، اب ہم پھر موضوع کی طرف آجاتے ہیں اور اس سلسلہ میں آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔

جون ۱۹۸۶ء میں میرا عزیزی مولوی محمد رابع ندوی کی معیت میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے جلسہ میں شرکت کے لئے استنبول (ترکی) جانا ہوا، اس سے فارغ ہو کر ۲۸ جون کو دہلی جاتے ہوئے ڈھائی تین دن کے لئے کراچی ٹھہرنا ہوا، غالباً ۲۹ جون کو اپنے ایک مرحوم دوست منصور ٹیلہ صاحب کے یہاں دوپہر کے کھانے پر تھا، کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی،

[۲] ایک صحیح حدیث میں اہل یمن کی تعریف میں یہ لفظ آئے ہیں۔ الایمان یمان، والحکمۃ یمانیۃ، (ایمان یمن کی چیز ہے اور حکمت یمن کا امتیاز ہے)

[۱] نامور شامی فاضل و ادیب علامہ سید علی طنطاوی (حال مقیم مکہ مکرمہ) مراد ہیں، جو عہد حاضر کے چوٹی کے صاحب علم و اہل قلم ہیں۔

انہوں نے کہا جنرل صاحب ٹیلی فون پر ہیں، اور آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ میرے کراچی پہونچنے کی اطلاع ان کو کہاں سے ہوئی، میں نے ریسیور ہاتھ میں لیا، جنرل صاحب خود بول رہے تھے، انہوں نے ہماری آمد پاکستان پر خوشی کا اظہار کیا اور اسلام آباد آنے کی دعوت دی، میں نے وہاں آنے سے معذرت کی، اور کہا کہ اس وقت اس کا موقعہ نہیں ہے، بات ختم ہو گئی، رات کو دار العلوم بنوری ٹاؤن میں جہاں قیام تھا ان کا ٹیلیفون آیا، انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ نہیں آسکتے تو میں آتا ہوں، میں کل کراچی آپ ہی سے ملنے آرہا ہوں، آپ دن کا وقت کسی کو نہ دیں اتفاق سے وہی دن میری روانگی کا تھا، اور ظہر بعد دہلی کے لئے پرواز تھی، صبح ایک فوجی افسر آئے، انہوں نے کہا کہ کھانا بھی آپ کو جنرل صاحب کے ساتھ کھانا ہے آپ کن لوگوں کو اپنے ساتھ لانا چاہتے ہیں میں نے اپنے میزبان اور عزیز قاری سید رشید الحسن (نبیرۂ والا جاہ نواب سید صدیق حسن خان والی بھوپال) اور اپنے رفیق قدیم اور ادیب جلیل مولانا محمد ناظم صاحب ندوی اور چند احباب کا نام بتا دیا، اگلے دن صبح جنرل صاحب تشریف لائے، صدر کے محل میں ہم نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور اسی احاطے کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، جنرل صاحب بڑی سادگی اور خلوص سے ملے، سیرت نبویؐ کے عطیہ کا ذکر آیا، جس کی اس وقت تک اس کارروائی کی تکمیل نہیں ہوئی تھی، جس کی ہم نے درخواست کی تھی انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ قبول کر لیتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی، میں نے کہا کہ میں نے اس سے پہلے بھی ایسے موقع پر یہی طرز عمل اختیار کیا معلوم ہوا اور حیرت ہوئی کہ جنرل صاحب کو فیصل ایوارڈ کے سلسلہ میں میرے طرز عمل کا علم تھا،

حیرت کی بات یہ تھی کہ پرسنل لا کے معاملہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے نفقہ مطلقہ اور سپریم کورٹ کے فیصلہ کے سلسلہ میں جو ہندگیر مہم چلائی گئی تھی اور وزیر اعظم ہند راجیو گاندھی صاحب نے پارلیمنٹ میں ایک نیا بل پیش کر کے (جو بہت کچھ علماء و ارکان پرسنل لا بورڈ کے مشوروں کی روشنی میں تیار ہوا تھا) جس حقیقت پسندی اور دانشمندی کا ثبوت دیا اس کا جنرل صاحب کو علم تھا، اور انہوں نے اس سلسلہ میں راجیو جی کے اقدام کی تعریف کی، یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مجلس کے متعدد باخبر شرکاء کو اتنی واقفیت نہیں تھی، اور ان میں سے بعض بالکل بے خبر نکلے۔

جنرل صاحب مرحوم سے یہ آخری ملاقات تھی، اس وقت بالکل یہ اندازہ نہیں تھا، کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شہداء کی فہرست میں ان کا نام لکھا ہوا ہے۔ اور ان کیلئے خدا کے دربار میں پہونچنے کا وہ راستہ معین ہو چکا ہے، جس کی بڑے بڑے اولیاء اللہ نے تمنا کی اور جس کی فضیلت اور علوئے مرتبت پر قرآن و حدیث ناطق ہیں۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

خوف اس کا ہے کہ اس سانحہ میں اس ملت کے افراد یا کسی فرد کا ہاتھ نہ ہو، جسکی حفاظت اور تقویت کے لئے انہوں نے اپنی بہترین توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کیں، اور اسلامی نظام اور قوانین کے نفاذ کے سفر کی کچھ منزلیں طے کیں، اور اس کی تکمیل منازل کی طرف وہ رواں دواں تھے اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد (اور متعدد تجربوں کے بعد) پاکستان کے بعض حق گو اور حقیقت پسند اہل نظر کی زبان پر لکھنؤ کے ایک قدیم شاعر کا یہ شعر نہ ہو ؎

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
افسوس ہے انہیں کے ہزاروں گلے ہوئے

اللہ تعالیٰ شہید مرحوم کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے جن سے کوئی بشر خالی نہیں، ان کی نیت و ارادوں اور ان کی دینی حمیت اور اسلام سے تعلق کو قبول فرمائے، اور دونوں پڑوسی ملکوں کے رہنماؤں اور قائدین و سربراہان مملکت کو اس کی توفیق دے کہ وہ شریف، حقیقت پسند، بلند نگاہ، اور عالی ظرف پڑوسی سربراہان مملکت کی طرح دونوں ملکوں کی رہنمائی کریں، ان کی بہترین توانائیاں اپنے اپنے ملک کی تقویت اور استحکام، معاشرہ کی اصلاح، بڑھتے ہوئے انتشار، بدنظمی، فرض ناشناسی، اور دولت پرستی کے مرض سے ان کو بچانے کی کوشش کریں جو ان ملکوں کو گھن کی طرح کھا رہا ہے تاکہ ایشیا میں ایک ایسی باوقار و باوزن، مؤثر اور مفید قیادت کو ابھرنے کا موقع ملے، جو بین الاقوامی امور میں بھی، اور قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا (بزعم خود) فیصلہ کرنے والی طاقتوں کو بھی روشنی دکھا سکے، اور عہد حاضر کے لئے بہتر، زیادہ پرسکون اور محفوظ اور باعزت ماحول پیدا کرنے میں مدد دے۔

صدر محمد ضیاء الحق کا سانحہ

عالم اسلام کے لئے ایک عظیم حادثہ

مرگ مجنوں پہ ہوش گم ہے میر
کیا دوانے نے موت پائی ہے

شمس الحق ندوی

۱۷ اگست ۸۸ء کو جب سورج کی دمکتی ہوئی کرنیں مدھم ہو کر مائل بغروب تھیں تو نور حق کا ایک علم بردار فضا میں تھوڑی دیر تیر کر ایک زوردار چمک اور دھماکہ کے ساتھ اپنے قفس عنصری کو بکھیر کر زمین پر گراتے ہوئے خود پرواز سے آگے نکل گیا؛ مگر دیکھنے اور سننے والے دل پکڑ کر بیٹھ گئے جب جانے والا فرشتوں کے جلوس میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جا رہا تھا تو زمین کی وہ پوری آبادی جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی فدائی و شیدائی ہے دل تھامے ہچکیاں لے رہی تھی کہ وہ نہ رہا جو نہایت جرات و ہمت کے ساتھ چراغ مصطفوی کو آج کی تاریک فضا میں حکومت و قانون کی سطح پر روشن کرنے کیلئے ہر خطرہ سے بے پرواہ ہو کر جان کی بازی لگائے ہوئے تھا وہ لوگوں سے ملنے جلنے میں نہایت متواضع و خاکسار تھا مگر پیغام حق سنانے میں جری و بے باک اس کی صدائے حق اقوام متحدہ کے ایوانوں میں بھی گونجی اور ناوابستہ ممالک کی کانفرنسوں میں بھی یہ مرد سپاہی جہاں کہیں بھی ہوتا دین محمدی کی نمائندگی کرتا ایسا بھی ہوتا کہ عصر یا مغرب کی نماز کے وقت میں اس کا جہاز کسی ملک میں اتر رہا ہے سربراہان مملکت استقبال کو کھڑے ہیں اور عاشق رسولؐ اترتے ہی پہلے مصلیٰ بچھواتا اور اپنے رفقاء کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتا اور پھر استقبال کرنے والوں کی طرف بڑھتا اس نے ایسے وقت میں جب پاکستان کا انتظامیہ بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا اخلاقی انارکی اور لاقانونیت کا دور دورہ تھا دین اور اہل دین کا مذاق اڑایا جا رہا تھا بزبان حال یہ کہتے ہوئے "اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم" حاکم وقت سے زمام کار چھین لی۔ اور وہ ملک جو خودکشی پر آمادہ تھا اور جس کے حکام جنگ ہمسائی کا سامان بنے ہوئے تھے کچھ دنوں کیلئے سنبھل گیا اس کا وقار پھر سے بحال ہوا نفاذ شریعت کی نہ صرف باتیں ہونے لگیں بلکہ بہت سے شعبوں میں اس کو عملی جامہ پہنایا گیا

آج کی دنیا میں جبکہ پورا عالم ایک گھروندہ بن کر رہ گیا ہے بیک جنبش قلم کلیتاً نفاذ شریعت کا کام آسان نہ تھا، خارجہ پالیسی دیگر ملکوں کے حالات اور اسلام دشمنی کی فضا پر غور و تدبر کرتے ہوئے صرف نفاذ شریعت کی کوشش جاری رہی جو کوتاہ نظر تھے وہ تعاون تو نہ کرتے الزامات طرح طرح کے لگاتے یہ مرد خدا مست سب کچھ برداشت کرتا اور اپنے کام میں پوری لگن کے ساتھ مصروف رہتا جب کوئی نازک مسئلہ درپیش ہوتا حرمین شریفین میں حاضری دیکر اپنے خدا سے دعا کرتا اور پھر اقدام کرتا حرمین سے ایسا تعلق و لگاؤ اور وہاں حاضری کی سعادت عرصۂ دراز سے شاید ہی کسی سربراہ مملکت کو حاصل رہی ہو اسی کی برکت تھی کہ حرم مکی و حرم مدنی دونوں جگہ اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی یہ منظر تو خود اپنی آنکھوں نے دیکھا ہے کہ وہ روضۃ من ریاض الجنۃ میں دست بدعا ہیں ابتہال و تضرع کی کیفیت میں گم ہیں اور چاروں طرف ایک بھیڑ ہے جو اس عاشق رسول کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔

وہ دل کی سچائی کے ساتھ ایک سربراہ مملکت کی حیثیت سے دین اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرنا چاہتے تھے اس لئے علماء سے تعلق اور ان سے مشورہ ضرور کرتے تھے ان کے اقدامات اور مختلف مناسبتوں کی تقریروں سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کی پشت پر کوئی صاحب دل عالم جہاں دیدہ شخصیت ہے جس کی نگرانی میں وہ اپنی توانائیوں کو بروئے کار لانے میں مصروف ہیں [illegible] اور تحریریں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ نظام حکومت کو ان خطوط پر چلانے کیلئے کوشاں ہیں جو عمرؓ و علیؓ کے نقش پر ہو اس لئے انکی موت بھی اسی راہ سے آئی جس راہ سے ان دونوں کی آئی تھی اور دل کچھ اسی انداز سے ان کیلئے تڑپ اٹھے تھے جیسے ان کیلئے بہت عرصہ کے بعد کسی مسلمان ملک کو ایسا سربراہ ملا تھا جو مومنانہ شان کے ساتھ سربراہان مملکت سے مخاطب ہوتا تھا ان کا جانا ایک ایسا خلا ہے [illegible]

ھیہات لا یاتی الزمان بمثلہ ۔ ان الزمان بمثلہ لبخیل

اُمّت کی سربلندی کا واحد راستہ

(از — مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی)

دنیا کے بے دین قائدین نے سیاست حکومت، معاشرت و معیشت غرض کہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے جو قوانین وضع اور جو طریقے ایجاد کئے ہیں، ان میں عقیدہ و ایمان اور صالح اخلاق کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی ہے، اس معاملہ میں یورپ کو امامت کا درجہ حاصل رہا ہے، تہذیب و تمدن کی یہ نوعیت کہ اس میں سرے سے، خدا کی ہستی اور اس کے دین کا کوئی تصور تک نہ ہو، یورپ ہی کا ایجاد کردہ ہے، پھر اس بے دین فلسفہ کے دنیا میں عام ہونے کا باعث یہ ہوا کہ جب یورپ کا ستارہ بلند ہوا اور اس کے تاجر اور فاتحین دنیا کے ملکوں میں پہنچے تو ان کی یہ بے دین تہذیب بھی ان کے ساتھ ان ملکوں میں پہنچی، چونکہ یہ جدید نظام زندگی یورپ سے آیا تھا، اس لئے اس کو مغربی تہذیب کا نام دیا گیا۔

اس تہذیب کی تمام تر بنیاد اس نظریئے پر قائم ہے کہ انسان سوشل انیمل Social Animal یعنی اجتماعی حیوان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حیوانوں کی ہدایت کے لئے کبھی کوئی کتاب آسمان سے نازل نہیں ہوئی اور نہ کبھی کوئی رسول ان کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا، اسی طرح انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے کسی رسول یا کسی آسمانی کتاب کی قطعاً کوئی حاجت نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی ایک طرح کا حیوان ہی ہے، لہٰذا اسے بھی خدائی قانون سے آزاد ہونا چاہیئے پس جو غذا وہ چاہے استعمال کرے، جس قدر اور جس طرح کا آرام اور راحت سے مطلوب ہو حاصل کرے، اور جنسی لذتوں کے سلسلہ میں جو بے راہ روی چاہے اختیار کرے، اس کیلئے نہ کوئی رکاوٹ ہے، اور نہ کوئی قانون البتہ چونکہ وہ حیوان ہونے کے ساتھ سوشل یعنی اجتماعی اور سماجی بھی ہے، لہٰذا اس کیلئے اپنے ہم جنسوں کا لحاظ ضروری ہے، اور یہ بھی محض اس لئے کہ اس کے بغیر سوسائٹی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا، نہ اس لئے کہ خدائی قانون اسے ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے

جن لوگوں نے بلکہ کہنا چاہیئے کہ جن قوموں نے انسانی زندگی کی نسبت اس فلسفہ کو قبول کرلیا، ان کی زندگی کا مقصد اور اس کے تقاضے یکسر تبدیل ہو گئے، چونکہ انہوں نے خود کو حیوان تسلیم کرلیا اس لئے انہیں فقط اس سے بحث رہ گئی کہ انہیں بھر پور اور دلپسند غذا ملنی چاہیئے، رہ جاتی ہے یہ بات کہ غذا اور عیش و آرام کے جو اسباب انہیں حاصل ہوتے ہیں وہ حلال طریقہ سے حاصل ہوتے ہیں یا حرام طریقہ سے؟ تو اس الجھن سے ان کا دماغ بالکل آزاد ہو چکا ہے چنانچہ انہوں نے سود، لاٹری، وغیرہ کو بالکل جائز قرار دیدیا بلکہ جائز اور ناجائز کے تصور ہی سے وہ قطعاً نا آشنا ہو گئے، جنسی لذتوں کی تکمیل کی غرض سے مرد و زن کے اختلاط اور میل جول کی کامل چھوٹ دیدی گئی، شرم و حیا اور عفت و عصمت جو جنسی آوارگی سے انسان کو روکتی تھیں، انہیں دور جہالت اور عہد تاریک کی یادگار قرار دیدیا گیا، البتہ اگر کوئی قید لگائی گئی تو فقط یہ کہ ہر قسم کے لین دین اور ہر طرح کے جنسی تعلقات، جبر و اکراہ اور ظلم و زیادتی کے بغیر، باہمی رضامندی کے ماحول میں ہونے چاہئیں، اگر فریقین راضی ہوں تو پھر ہر ناجائز، جائز اور ہر حرام حلال ہے

جیسا کہ عرض کیا گیا انسانی وجود کے متعلق اس نظریئے کی ابتداء تو یورپ سے ہوئی تھی، مگر اب اس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور عملی لحاظ سے پوری دنیا نے اسی طرز زندگی کو اختیار کرلیا ہے، پھر چونکہ مسلمان بھی اسی دنیا میں انہیں انسانوں کے درمیان رہتے بستے ہیں، اس لئے وہ بھی اس طرز زندگی سے شدید طور پر متاثر ہیں چنانچہ آج دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت وہی طرز زندگی اختیار کر چکی ہے، جو اس وقت دنیا میں رائج ہے مسلمانوں کا عمومی ذہن یہ بنتا جارہا ہے کہ اب اس طرز زندگی سے لڑنا جو دنیا کا مذہب بن چکا ہے ممکن نہیں، لہٰذا ہمارے لئے اس بے دین دنیا میں زندہ رہنے کی فقط یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم اللہ اور رسول پر تو ایمان رکھیں، اللہ کے دین کو برحق جانیں، اور جیسی کچھ بن پڑے اپنے طور پر اللہ کی عبادت بھی اپنے گھروں اور مسجدوں میں کرلیا کریں لیکن زندگی کے عمومی طرز اور معیشت، معاشرت اور سیاست میں اب دین کی پابندی چلنے والی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر بھی اصرار نہیں کرنا چاہیئے، چنانچہ مسلمانوں کی اکثریت اب یہی روش اختیار کرتی جارہی ہے، جو لوگ ابتک خود کو سنبھالے ہوئے تھے وہ بھی ہمت ہارتے دکھائی دے رہے ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھ کر قدرتی طور پر ذہن میں یہ سوال گردش کرنے لگتا ہے کہ وہ امت جو کم و بیش ایک ارب کی تعداد میں دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، جو اللہ کے دین پر بھی ایمان رکھتی ہے وہ ذہنی طور پر بے دین دنیا سے اس درجہ مرعوب کیوں ہے اور عملی لحاظ سے بے دینوں کی نقالی پر کیوں اتر آئی ہے۔

اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ جو منصب و مقام اللہ تعالےٰ نے اس امت کو عطا فرمایا تھا۔ امت نے اسے فراموش کردیا ہے، امت کی حیثیت واضح کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا تھا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک عادل و معتدل امت بنایا تاکہ تم لوگوں کے سامنے (دین حق کے) گواہ ہو اور رسول تمہارے لئے (دین حق کے) گواہ ہوں۔

(بقرہ)

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ خدا کے دین سے منحرف ہو کر اپنی خواہشات اور طرح طرح کے اوہام کا شکار ہو گئے تھے انکی دیگر گمراہیوں کے علاوہ ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ دنیا کی بہت سی مشرک قوموں کی طرح انہوں نے بھی مشرق اور مغرب کی سمتوں ہی کو اپنا قبلہ قرار دے لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ایک بڑا احسان یہ فرمایا کہ مشرک قوموں والی اس گمراہی سے اسے نجات دیکر اس کے لئے ایک قبلہ مقرر فرمایا، مذکورۂ بالا آیت کے پہلے لفظ "وَكَذٰلِكَ" یعنی اسی طرح میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح قبلہ کے معاملہ میں ہم نے مشرک قوموں والی گمراہی سے تمہیں نجات دی، اسی طرح ہر ہر عقیدہ و عمل کے معاملہ میں بھی ساری امتوں پر تم کو امتیاز بخشا گیا ہے۔

"رسول تم پر گواہ ہوں، اور تم لوگوں پر گواہ ہو"

کلام کی اس ترتیب سے قطعی طور پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ امت دین کی تبلیغ کے لئے دنیا میں بھیجی گئی ہے اور اس معاملہ میں وہ اپنے نبی کی جانشین اور نمائندہ ہے

پس جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدترین ماحول، اور تاریک ترین عہد میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ اپنی پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ ترین کردار کے ساتھ کھڑے ہوئے اور قول و عمل سے لوگوں کو اللہ کے دین کی تبلیغ فرمائی۔ اسی طرح اس امت پر بھی تبلیغ دین کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن افسوس کہ امت کی بڑی تعداد اپنے اس فرض منصبی کے شعور تک سے محروم ہو چکی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ "داعی" "قائد اور مطلع" کے اعلیٰ مقام سے گر کر غیروں کی نقالی اور شدید احساس کمتری اور ذہنی غلامی میں مبتلا ہو چکی ہے۔ حد یہ ہے کہ جب دین و ملت کی کسی اجتماعی خدمت کے لئے مسلمان میدان میں آتے ہیں تو عقیدے کے تذکرہ تک کو اس دینی مہم کے حق میں سخت باعث مضرت سمجھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

اور سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوط تھامو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو، اور خود پر اللہ کے انعام کو یاد کرو، جب تم باہم دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، تو تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔

اس آیت میں صحابۂ کرام سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ مدتوں سے تمہارے درمیان عداوت اور جنگ و جدال کی فضا قائم تھی تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، مگر جب بہ توفیق الٰہی تمہیں ایمان کی نعمت حاصل ہو گئی، اور تم قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہو گئے تو خدا کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، پس آئندہ بھی قرآن مجید سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ رہنا تب ہی تمہارا اتحاد برقرار رہے گا اور تب ہی بڑے سے بڑے فتنوں کا تم مقابلہ کرکے ان کو پسپا کر سکو گے۔

پس آج ہی نہیں بلکہ جس عہد اور جس زمانے میں بھی امت مسلمہ اپنے عقیدہ و عمل کو قرآن مجید کی ہدایات کے مطابق بنائے گی، اتحاد کی نعمت سے نوازی جائے گی، اور دنیا میں اس کا وزن محسوس کیا جائے گا، اور اگر اس شرط کو امت پورا نہ کرے گی تو انتشار و افتراق سے دوچار اور خدائی نصرت سے محروم رہے گی پھر کوئی تدبیر اس کے حق میں کارگر ثابت نہ ہوگی، اور کوئی فارمولا اس کی بگڑی نہ بنا سکے گا، ذیل کی آیت میں بھی

(بقیہ صـ۱۰ پر)

صدر محمد ضیاء الحق شہید

محمود الازہار ندوی

جنرل ضیاء الحق نے گیارہ سال تک پاکستان کی قیادت کی، قبضہ اقتدار سے لے کر شہادت تک وہ ایک سپاہی اور مجاہد کی طرح رہے اور اپنے فکر، قوت کار اور استقامت سے ملک کے نا خدا بنے رہے جنرل ضیاء کو فوج کی سربراہی تک پہونچانے والے سابق وزیر اعظم بھٹو تھے مگر ان کے ظلم و جور اور بد عنوانیوں کے خلاف جب قوم صف آراء ہوئی تو اس مرحلہ میں فوج نے ایک وقت تک انتظار کیا کہ شاید حالات سدھر جائیں مگر فوج کی خاموشی سے ملک کو نقصان پہونچ رہا تھا اس کی ساکھ گر رہی تھی مجبور ہو کر فوج نے مداخلت کی اور یہ چیز پاکستان میں نظائر اور شواہد کے مطابق کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ جب جب سیاستدانوں کو ناکامی ہوئی ہے فوج نجات دہندہ بن کر نمودار ہوئی ہے اور قیام پاکستان سے لیکر اب تک فوج کا اہم کردار رہا ہے، اس مرتبہ اس کی قیادت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جو فوجی لحاظ سے مضبوط، طبیعت کے لحاظ سے نرم، اور مزاج کے اعتبار سے خوش اخلاق، روادار اور بہت ہی ٹھنڈے دل کا تھا، اور اقتدار کے لحاظ سے موزوں ترین شخص اور یہ ایک ایسی خصوصیت تھی جس کا اعتراف جنرل ضیاء کے مخالفین بھی کرتے تھے، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات و اخلاق اور سیرت رسول کا بغور مطالعہ کیا تھا، اور اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات، اخلاق و عادات، ملنے جلنے کے آداب سے مزین تھا۔

جنرل ضیاء نے اقتدار پر اس وقت قبضہ کیا تھا جب ملک بہت ہی نازک دور سے گذر رہا تھا کیونکہ اقتدار کی کرسی ایک ایسے شخص کے پاس تھی جس کے دور میں بقول ماہر القادری ایڈیٹر فاران کے:

بھٹو کا دور حکومت قتل و غارتگری لوٹ کھسوٹ، رشوت ستانی، خیانت اگلی دھوکے اور دھاندلی کا دور رہا ہے ملک کی معیشت کو تلپٹ کردیا گیا، اور دفتری نظام کو کباڑی کی دوکان بنادیا گیا مسٹر بھٹو نے اپنی شخصیت، ذات، اور اقتدار کے ہوا خواہ، ہمدرد اور جی حضوری پیدا کرنے کے لئے پاکستان کی دولت کو پانی کی طرح بہایا، اور کنکروں کے مانند روپئے کو بکھیرا، نقالی، بینکن اور چمچے اور کھمن بس یہی چکر اس شخص کے دور میں چلتا رہا ہے، اس حکومت میں سرکاری عہدیداروں کی خیانت و غفلت اور بے عنوانیوں سے نہ صرف یہ کہ صرف نظر کیا گیا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی گئیں تاکہ وہ اقتدار کے ظلم و ستم کے آلہ کار بن سکیں، اور خاص طور سے انتخابات کے موقع پر ان سے کام لیا جا سکے۔

جنرل ضیاء کے اقتدار پر آنے کے بعد جو نظام میں تبدیلی ہوئی اور جس کا اثر روز مرہ کی زندگی میں پڑا وہ قابل دید تھا اور بہت دنوں کے بعد اس قسم کا ماحول پاکستان میں پیدا ہوا تھا اس کا بھی حال سنیئے۔

پاکستان کی موجودہ مارشل لاء حکومت سے عام طور سے لوگ مطمئن اور خوش ہیں اس حکومت کے قیام سے امن و امان قائم ہوا اور عوام کو سکھ کی نیند نصیب ہوئی۔ جناب محمد ضیاء الحق صاحب عوام و خواص میں مقبول ہیں اور ان کا طرز عمل مخلصانہ ہے۔

جنرل ضیاء با عزم اور حوصلہ مند شخص تھے انہوں نے ملک کو مضبوط کرنے کے لئے داخلی امور سے لیکر خارجی امور پر بذات خود توجہ کی اور ملک کو مضبوط کیا، بین الاقوامی تنظیموں میں پاکستان کے وقار کو بلند کیا، اور عالم اسلامی کے امور میں خصوصی دلچسپی لی ناوابستہ ممالک کی تنظیم میں پاکستان کو واپس لے آئے۔ اور ہوانا، کیوبا میں منعقدہ ناوابستہ ممالک کی کانفرنس میں بذات خود اپنے ملک کی نمائندگی کی کراچی میں پہلی ایشیائی کانفرنس رابطہ عالم اسلامی کے تعاون سے منعقد کی ان کی کوششوں سے تنظیم اسلامی کانفرنس میں مصر کی واپسی ممکن ہوسکی کیونکہ تمام عرب ممالک نے اسرائیل سے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کرنے کی وجہ سے اس کا بائیکاٹ کردیا تھا، اور اس کی رکنیت معطل کردی تھی اس طرح عالم اسلام کی درخواست پر پندرہویں صدی ہجری کی آمد کے موقع پر عالم اسلامی کی اقوام متحدہ میں نمائندگی کی اور قرآنی تلاوت کے بعد اپنا خطاب کیا، جنرل ضیاء کی دانشمندی اور متانت ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کے گیارہ سالہ دور حکومت میں ہندوستان پاکستان کے مابین ایک بھی جنگ نہ ہوئی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کو جنگ میں ڈھکیلنا خودکشی کے مترادف ہے۔ افغان مہاجرین کی پوری جنگ پاکستان کے حدود سے لڑی گئی اور ایک دن بھی دونوں میں محاذ آرائی کی نوبت نہ آئی یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

جنرل ضیاء نے پہلی ایشیائی کانفرنس منعقدہ کراچی بتاریخ ۶، ۷، ۸ جولائی ۱۹۷۸ء کا افتتاح کرتے ہوئے کہا تھا اتحاد و یگانگت اور قول و عمل میں مطابقت اور مغرب کی چمک دمک سے عدم مرعوبیت اور نئے تقاضوں کو پورا کرنے پر زور دینے کے بعد کہا۔

"جدید علوم اور تحقیق کی طرف بڑھنا ہوگا اسلامی نقطۂ نظر سے جدید علوم اور کہا تسخیر کائنات کی کوششوں پر بس ایک ہی شرط عائد ہے اور وہ یہ ہے کہ علوم انسان کو اللہ کی رضا اور اس کے بندوں کی خوشی کے لئے حاصل کرنا چاہیئے، ترقی کے دور کے ساتھ ساتھ اسلامی اصولوں کی ترویج بھی اشد ضروری ہے تاکہ جب سائنس انسان کو نئے علوم سے مسلح کرے تو اسلام اسے ان کے صحیح اور مفید استعمال کی راہ دکھا سکے اس پس منظر میں اسلامی اصولوں کا احیاء صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں ساری دنیا کے لئے اشد ضروری ہے

جنرل ضیاء نے اسلامی قوانین نافذ کرنے کے جو اقدامات کئے اسکو مصر کے موقر مجلہ میں جس کے ایڈیٹر ڈاکٹر عبد الودود شلبی ہیں نے زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا تھا اور ضیاء الحق کو حق کا فرستادہ اور مرد مومن قرار دیا گیا تھا اس میں کہا گیا تھا کہ وہ نہ صرف پاکستانیوں کو بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو بے حد عزیز تھے، اس مضمون میں صدر ضیاء الحق کو مخاطب کرکے کہا گیا تھا کہ آپ کو رہنمائی کے لئے آگے لانے میں خدا تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے۔ خدا تعالےٰ آپ سے جو کام لینا چاہتا ہے آپ اسے جرأت اور ثابت قدمی سے انجام دیں۔ آپ کے نام کے معنی "حق اور "روشنی" کے ہیں۔ جب روشنی آتی ہے تو تاریکی کافور ہو جاتی ہے اور حق یقیناً باطل کو شکست دیگا شاید اللہ تعالےٰ آپ سے طاغوتی قوتوں کو ختم کرنے کا کام لینا چاہتا ہے شرعی نظام کے نفاذ سے آپ نے پاکستان کو ایک ولولہ تازہ عطا کیا ہے اور اس کے زخمی جسم کو ایک نئی زندگی بخشی ہے آپ نے پاکستان کو وہ کچھ دیا جو اس سے قبل کوئی شخص نہ دے سکا آپ کے مقدس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے دنیا کا ہر مسلمان آپکے ساتھ ہے۔

صدر ضیاء، اسلام کو روحانی ضروریات کے علاوہ مادی ضروریات کا بھی مداوا سمجھتے تھے اور اس کو اپنی ملی بقاء کے لئے لازمی سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ اسلام ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے ہمارے لئے یہ نظام حیات کوٹ ٹائی یا ٹوپی کی طرح نہیں، جسے بدلتے ہوئے حالات اور فیشن کے مطابق بدلا جا سکے یہ ہماری سانس ہے۔ یہ ہماری روح ہے جس کے بغیر ہم بالکل بے کار ہیں اس نے نفاذ شریعت کے موضوع پر بین الاقوامی سیمینار جس میں عالم اسلام کے چیدہ علماء نے شرکت کی تھی کا افتتاح کرتے ہوئے کہا تھا۔

اسلام بنیادی طور پر ایک قانون ہے جو ذات الٰہی کے احکامات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر مبنی ہے جو شخص اسلام قبول کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اس قانون کی اطاعت کا عہد کرتا ہے یہ عہد کرنے والے جب تعلیم و تدریس میں اس قانون پر عمل کریں گے تو ان کا نظام تعلیم اسلامی ہوگا اپنے میں وہ اسے اپنائیں گے تو ان کی معاشرت اسلامی ہوگی۔ اس کا اطلاق معاشیات پر کریں گے تو اسلامی نظام معیشت وجود میں آئے گا گویا اگر اس قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کیا جائے گا تو سارا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا جائے گا

انہوں نے عالم اسلام سے اپیل کرتے ہوئے کہا:

عالم اسلام کو متحد اور مربوط بنانے کی یہ کوشش صرف اسلامی قوانین کی تدوین تک محدود نہیں رہنی چاہیئے بلکہ اس کا دائرہ جتنا وسیع ہو سکے اتنا ہی مفید ہوگا مثلاً آپ مسلمان ممالک پر نظر ڈالیں تو آپکو بے شمار وسائل نظر آئیں گے عالم اسلام

کے ریگستان تیل کی دولت سے مالا مال ہیں تو پہاڑ معدنی ذخائر سے پُر ہیں، میدان لہلہاتی فصلوں سے مسکراتی ہیں۔ تو سمندر آبی دولت کے امین ہیں۔ اگر ان وسائل کو عالم اسلام کی اجتماعی بہبود کے لئے استعمال کیا جائے تو میرے خیال میں مادی لحاظ سے بھی ایک خوشگوار انقلاب آجائے گا۔

صدر ضیاء نے پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کے موقعہ پر عالم اسلامی کے متفقہ ترجمان کی حیثیت سے جنرل اسمبلی کے ۲۳ ویں اجلاس میں ۹۰ کروڑ مسلمانوں کی جانب سے ان کے جذبات کی ترجمانی و نمائندگی کی تھی۔ جس کے بارے میں مبصرین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے موقف کی ایسی ترجمانی کبھی نہیں کی گئی تھی۔ آپ نے موجودہ انسانی مسائل اور سیاسی، سماجی، تہذیبی اور اخلاقی بحران اور اس سے آج کی قوموں اور ان کے افراد کی پریشانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے عالمی برادری کو پرکشش اور دلنشیں انداز میں بتایا کہ اسلام ان تمام مسائل اور الجھنوں کے حل میں مدد دیتا ہے اور عالمی اخوت کا مضبوط ڈھانچہ پیش کرتا ہے کیونکہ اسلام ایک مذہب ہی نہیں، ایک ہمہ جہت و ہمہ گیر نظام زندگی اور فلسفۂ زندگی ہے۔ اسلام نے گذشتہ ۱۴ سو برسوں میں انسانیت کی جو خدمات انجام دی ہیں ان سے آپ واقف ہیں۔ اسلام ایک صالح بین الاقوامی معاشرہ اور بین الاقوامی تعلقات کے قیام کے لئے جو منشور پیش کرتا ہے اس کے بنیادی اصولوں کو ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کے خطبے میں دیکھ سکتے ہیں:

اسمیں انسانی حقوق و فرائض مقرر کئے گئے ہیں۔ یہ خطبہ آج بھی انسانیت کے لئے اتنا ہی مفید اور قیمتی ہے جتنا ۱۴ سو سال پہلے تھا۔"

جنرل ضیاء الحق جیسا قائد جس نے ملک کی سالمیت، قوم کی خودداری پر آنچ نہ آنے دی۔ اور اسلامی تعلیمات کی جگہ جگہ ترجمانی کی، اسلامی ملکوں کے مفادات کو ہر میدان میں اہمیت دی، شریعت آرڈیننس جاری کیا، نماز قائم کردگی قومی تحریک چلائی، اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لائے، زکوٰۃ اور عشر کا سرکاری نظام بنایا اور بین الاقوامی امور خاص طور سے افغانستان کی جنگ سے ملک کو دور رکھا، وہ انکی سوجھ بوجھ اور حالات کے پیچ و خم پر نظر رکھنے کی مہارت کو بتاتے ہیں۔ عالم اسلام کو شاہ فیصل شہید کے بعد اس قد و قامت اور اعتبار کا دوسرا قائد نہ ملا تھا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں قائدوں کی موت غیر فطری ہوئی۔ اور وہ بھی بام عروج پر پہونچ کر، اور جس طرح شاہ فیصل شہید کی شہادت پر سے پردہ ایک مدت کے بعد اٹھا، اسی طرح جنرل ضیاء الحق کی شہادت پر سے پردہ اٹھنے میں وقت لگے گا۔ اور یہ برصغیر اور خود پاکستان کے حق میں ہوگا۔

جنرل ضیاء الحق جن خطوط پر ملک کو لے جا رہے تھے، اور ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے ساتھ محدود جمہوریت کے لئے عوام کا ذہن تیار کر رہے تھے، یہ پاکستان کے حالات و اقعات اور سابقہ تجربات کی روشنی میں ملک کے مفاد میں تھا۔ انہوں نے اس سمت بہت سے اقدامات کئے۔ اور اب تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا کہ ان کے جانشینوں نے ان کے نظریہ، طریقۂ کار اور بنیادی اصولوں کے ساتھ ساتھ ملکی سالمیت قومی وقار اور عوام کی خودداری جیسی امانتوں کے ساتھ کتنی دیانت کا معاملہ کیا۔

بقیہ
صدر ضیاء خشونت سنگھ کی نظر میں

اور جن کو پاکستان کا دوست بن گیا ان کو ایسے تحفے ملتے رہتے ہیں جنرل ضیاء نے کبھی روابط عامہ افسر کی ضرورت محسوس نہیں کی وہ ہمیشہ اپنے لئے روابط عامہ کے بہترین ماہر تھے

اس انٹرویو کے بعد میں متعدد بار پاکستان گیا بھٹو کے واقعہ کے باوجود اور ان کی بیٹی بے نظیر کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے باوجود میرا تاثر یہ ہے کہ پاکستانی عوامی خواہ جنرل ضیاء سے محبت نہ کریں وہ ان سے نفرت بھی نہیں کرتے ان کے معترضین بھی ان کا اور ان کی سیاست، ڈپلومیسی کا احترام کرتے ہیں وہ انتہائی چالاک اور مکار سیاست دانوں کو نیچا دکھانے کی اہلیت رکھتے تھے میری ان سے آخری ملاقات اس استقبالیہ میں ہوئی تھی جو پاکستانی سفیر نے نئی دہلی میں دیا تھا اس میں ایک ہزار سے زیادہ مہمان تھے مجھے یقین تھا کہ ان کو میری ملاقات یاد نہ ہوگی لیکن یا تو ان کو یادداشت بہت اچھی تھی یا مہمانوں کے متعلق جب وہ ان سے ہاتھ ملاتے جاتے تھے تو ان کو تفصیل سے بتایا جاتا تھا جب ان سے میری ہاتھ ملانے کی باری آئی تو انہوں نے کہا "سردار صاحب مجھ سے پہلی ملاقات کے بعد آپ کئی بار پاکستان آئے لیکن مجھ سے پھر کبھی نہیں ملے اب آپ پھر کب آرہے ہیں میں نے سنا ہے کہ آپ اپنا آبائی گاؤں دیکھنا چاہتے ہیں ہم آپ کے وہاں پہونچنے کا انتظام کریں گے مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے جواب دیا "جنرل صاحب ایسی جگہ کیا لطف آسکتا ہے جہاں چھپ کر شراب پینی پڑے"؟

انہوں نے زوردار قہقہہ لگایا اور کہا "پاکستان میں آپ کو شراب پینے سے کس نے روکا ہے میں جانتا ہوں کہ آپ جب بھی یہاں آئے آپ کی اچھی تواضع کی گئی ہے ان کی نگاہوں میں تھا کہ میں کہاں کہاں گیا اور کن کن لوگوں سے ملا ●● (بشکریہ نئی دنیا)

بقیہ
امت محمدی کی سربلندی کا راستہ

ہماری سرفرازی و سربلندی کی شرط ایمان کامل ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ٥

"اور نہ ہمت ہارو، اور نہ غم کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو"

یہ خدائی وعدہ ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کس کا وعدہ سچا ہو سکتا ہے، پس ضرورت اس کی ہے کہ مسلمان ہمت سے کام لیں، دنیا کے ماحول سے مرعوبیت کو اپنے دل سے نکالیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، پھر اللہ اپنے وعدہ کے مطابق تمام معاملات درست فرما دے گا، اور دنیا کی تنگی پہلے کی طرح ان کے حق میں فراخی سے بدل جائے گی۔

بقیہ
قدرتی ٹیپ ریکارڈ

دوسرے بر اعظم میں منتقل کرنے کے محیر العقول کارنامے انجام دیتے ہیں، خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور انسانوں نے ان چیزوں پر قابو اس لئے پالیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اعلان فرما دیا تھا۔

سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ۔

اس نے آسمان و زمین کی تمام چیزیں تمہارے قبضہ میں دے رکھی ہیں۔

ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد ہے:

"اس نے (اللہ تعالیٰ نے) تم پر ظاہری و باطنی ہر طرح کی نعمتوں کی بارش کر رکھی ہے"۔

(اور ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ) کیا تم خداوند قدوس کا شکر بجا لاتے ہو؟ ۱۲

اظہار تشکر

مکرمی! میرے نوجوان بیٹے ڈاکٹر وقار عزیز قدوائی عرف "ٹوٹو" کا گذشتہ ۳۱ر جولائی کو اچانک انتقال ہو جانے کے سلسلے میں، عزیزوں دوستوں اور شناساؤں کے تعزیتی خطوط آئے ہیں ان کا فرداً فرداً جواب دینا اس وقت میرے لئے بہت دشوار ہے میں رسالہ "تعمیر حیات" کے ذریعہ ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میرے غم میں شریک ہوئے، اور جنہوں نے مجھے تعزیتی خطوط بھیجے۔ اور ان تمام اداروں کے ذمہ داروں کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام فرمایا۔

افتخار حسین قدوائی
مسجل
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

گذارش

خط و کتابت نیز منی آرڈر کرتے وقت اپنا خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں خریداری نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں کم سے کم جس نام سے آپ کا رسالہ جاری ہے اس کی وضاحت ضرور فرمائیں۔ چیک رقم نہ روانہ کریں صرف ڈرافٹ سے روانہ کریں۔ اور اس نام سے بنائیں۔

سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ
دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں (شکریہ)

SECRETARY,
MAJLIS SAHAFAT-WA-NASHRIYAT,
LUCKNOW-226007

صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ ایک

مشہور صحافی خشونت سنگھ کی نظر میں

۸ر اپریل ۱۹۷۹ء کی صبح کو میں اسلام آباد پہونچا ۱۰ اپریل کو صدر ضیاء الحق سے ملاقات کا میرا پروگرام طے شدہ تھا مجھے "ہالی ڈے ان" ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا، دنیا کے تمام ملکوں سے آئے ہوئے اخبار نویس اور ٹی وی کے لوگ وہاں مقیم تھے میرے ہوٹل سے صرف چند میل دور راولپنڈی جیل کی کال کوٹھری میں ذوالفقار علی بھٹو بند تھے اور ان کو پھانسی دئے جانے کا معاملہ میرے ہوٹل میں خاص کر موضوع گفتگو تھا جنرل ضیاء الحق سے میری ملاقات کے پروگرام سے متاثر ہو کر غیر ملکی صحافی یہ قیاس آرائی کر رہے تھے کہ شاید بھٹو کو پھانسی دینے کا وقت کچھ آگے بڑھا دیا جائے کیونکہ صدر ضیاء الحق اپنے سابق وزیر اعظم کو پھانسی پر لٹکوانے کے بعد کسی جرنلسٹ سے اور خاص کر کسی ہندستانی جرنلسٹ سے ملاقات کرنا پسند نہ کریں گے۔

دوسرے روز میں ہندستانی سفیر شنکر باجپئی سے پاکستانی سیاست کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا ۱۰ر اپریل کی صبح کو اپنی عادت کے مطابق میں صبح صادق سے بہت پہلے جاگ اٹھا تھا میں نے دیکھا کہ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ہوٹل کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اسٹین گنوں سے مسلح فوجی سڑکوں پر گشت کر رہے تھے میں نے باجپئی کو فون کیا اور ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے انہوں نے فون بند کرتے ہوئے کہا کہ چند منٹ کے بعد ملوں گا چند منٹ کے بعد میں نے پھر ان کو فون کیا "فیصلے پر عملدرآمد ہو گیا باجپئی نے کہا اور میں ان کا مطلب سمجھ گیا صدر کے سکریٹری نے دس بجے مجھ کو ٹیلیفون پر بتایا کہ صدر سے میری ملاقات کا پروگرام ایک ہفتہ کیلئے ملتوی کر دیا گیا ہے اس پر میں نے ہندستان واپس جا کر دوبارہ پاکستان آنے کا فیصلہ کیا، وہ دن میں نے راولپنڈی میں گذارا، یہ دیکھنے کیلئے کہ کچھ مظاہرے تو نہیں ہوتے تمام دوکانیں، اسکول اور کالج کھلے ہوئے تھے صرف سہ پہر کو نقاب پوش عورتوں نے کالی جھنڈیوں کا ایک چھوٹا سا جلوس نکالا اور ان کو میدان تک جانے کی اور وہاں غائبانہ نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔

دوسرے روز میں کراچی میں تھا وہ جمعہ کا دن تھا اور مجھے توقع تھی کہ مسجد سے باہر نکلتے ہوئے لوگ بھٹو کے حق میں کچھ مظاہرہ کریں گے میرے میزبان منی شنکر آئر تے جو ہندستانی قونصل جنرل تھے اور ان کی بیوی سونیت نے مجھ کو موٹر کار پر شہر کے مختلف علاقوں کی سیر کرائی کہیں کوئی مظاہرہ نہ ہو رہا تھا میں نے دیکھا کہ لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے لوگ سینما گھروں کے سامنے قطار لگائے کھڑے تھے چائے خانے چائے نوشوں سے بھرے ہوئے تھے ایسا ظاہر ہو رہا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں بھٹو کا کوئی برا وقار نہیں تھا ضیاء کے خلاف احتجاج کا کوئی جذبہ نمایاں نہیں تھا سبھی کہہ رہے تھے کہ ملک کے سپریم کورٹ نے بھٹو کو قتل کا مجرم قرار دیا ہے جنرل ضیاء زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے تھے کہ بھٹو کی سزائے موت حبس دوام میں تبدیل کر دیتے اور یہ خطرہ مول لینے کیلئے جنرل ضیاء تیار نہ تھے کیونکہ مردہ بھٹو کے مقابلہ میں مقید بھٹو زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا ہر صورت ضیاء ایک پکے مسلمان تھے وہ سمجھتے تھے کہ معاف کرنا اللہ پاک کا کام ہے مجھ جیسے خاکی انسان کا کام نہیں ہے۔

ایک ہفتہ کے بعد میں اسلام آباد واپس آیا اس مرتبہ میرے زیادہ تر سوالات بھٹو کو پھانسی دئے جانے اور نظام مصطفےٰ کے قیام سے متعلق تھے میری خواہش تھی کہ میں جنرل ضیاء سے چبھتے ہوئے سوالات کر کے ان کو غصہ دلا سکوں غصے میں دئے گئے جوابات اچھی عکاسی کرتے ہیں پریسیڈنٹ کے اے، ڈی، سی، سے چند منٹ گفتگو کے بعد مجھے کمرہ استقبالیہ میں پہونچا دیا گیا۔ میں نے چاروں طرف نظر ڈالی ایک دیوار پر مخملی غلاف چڑھا ہوا تھا جس پر سنہرے تاروں سے آیۃ الکرسی کڑھی ہوئی تھی کعبہ شریف اور کچھ دوسری مسجدوں کی تصویریں تھیں، خود جنرل کی اپنی باوردی تصویر بھی تھی مختلف رنگوں کے بہت سے پھول تھے پھر میری نگاہ اپنے سامنے رکھی ہوئی میز پر پڑی میز پر ایک کتابوں کا ایک ڈھیر تھا جن میں سکھوں کی تاریخ کی دو جلدیں بھی تھیں اور میرا ناول "ٹرین پاکستان تک" بھی تھا یہ کس نوعیت کی شعبدہ کاری تھی

جنرل تشریف لائے اور میرے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا قبل اس کے ہم بیٹھ کر باتیں شروع کرتے انہوں نے کہا "براہ کرم ان کتابوں پر میرے لئے آٹو گراف لکھ دیجئے جو بھی جارحانہ عزائم میرے اندر تھے وہ بھاپ بن کر اڑ گئے، ایک سربراہ مملکت ایک معمولی مصنف سے آٹو گراف دینے کو کہہ رہا تھا اس سے قبل میرے ساتھ عوامی رابطہ کا سلوک کبھی نہیں ہوا تھا

اور وہ کیسے نظر آرہے تھے متوسط قامت کے تنومند انسان مونچھوں کے نیچے دو دانت نمایاں گہری آنکھوں کے گرد سرمہ کی لکیریں لوگ ان کو سرمہ والی سرکار کہتے تھے ان میں مارشل نام کی کوئی چیز نہیں تھی سیاہ شیروانی اور اس پر بلی دارہ میں ان کے چوڑے سینہ پر سے گزرتی ہوئی ان کی جیب گھڑی کی سنہری زنجیر اور ان تمام چیزوں کے ساتھ وہ ایک جنرل سے زیادہ ایک ساہوکار یا ایک قصباتی وکیل نظر آرہے تھے۔

وہ بے حد نرم گفتار اور صاف گو انسان تھے وہ میرے کسی سوال پر برہم نہیں ہوئے اور ہر سوال کا بے لاگ جواب دیا وہ الیکشن اس لئے ملتوی کرتے رہے کہ ان کے نزدیک تاریخیں ایسی مقدس چیزیں نہیں جو بدلی نہ جا سکیں کیا وہ ان ظالمانہ قوانین کے نفاذ کو واقعی پسند کرتے تھے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں اور زنا کرنے والوں کو سنگسار کر کے ہلاک کر ڈالا جائے اس سوال پر ان کا جواب تھا کہ ہاں ان سزاؤں میں کوئی بات ظالمانہ نہیں ہے کیونکہ قرآن نے یہ سزائیں مقرر کی ہے اور مسلمانوں نے اس کو قبول کیا ہے پاکستان میں جرائم کی رفتار میں بڑی تیزی سے کمی ہوئی ہے

میرا سوال تھا کہ کتنے لوگوں کو مقدمہ چلائے بغیر جیلوں میں بند رکھا گیا ہے اور انہوں نے جواب دیا کہ صرف چند سیاسی لوگ ہیں اور ایک لمحے کے توقف کے بعد مزید کہا "اتنے زیادہ لوگ نہیں ہیں جتنے مسز گاندھی نے ایمرجنسی کے دوران جیلوں میں بند کئے گئے تھے ڈیڑھ گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں۔

انٹرویو کے دوران ہی (جنرل ضیاء) کی بیوی اپنی سب سے چھوٹی بچی کو لیکر داخل ہوئیں تقریباً دس سال عمر کی بہت موٹی اور کمزور دماغ کی بچی بیگم صاحبہ نے ہم کو چائے پیش کی اور واپس چلی گئیں مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ کسی جھجک کے بغیر اپنی کمزور دماغ کی بچی ایک اجنبی کے سامنے لے آئیں میں نے ان سے دو مرتبہ معذرت کی کہ میں نے ان کا بہت قیمتی وقت لیا اور دونوں مرتبہ انہوں نے مجھے پھر بٹھا لیا جب میں جانے کے لئے اٹھا تو وہ کار تک میرے ساتھ آئے اور میرے لئے دروازہ کھولا جو بھی ان سے ملنے آتا تھا وہ اس کیلئے ایسا ہی کرتے تھے

دوسری صبح دو پارسل میرے کمرے میں پہنچائے گئے ان میں سے ایک چھوٹا قالین تھا اور دوسرے میں سنگ سلیمانی کا ایک ڈبہ تھا یہ صدر اور ان کی بیگم کی جانب سے میرے لئے تحفہ تھا اس کے بعد ہر سال مجھے ان کا کوئی نہ کوئی تحفہ ملتا رہا اس سلسلہ کا آخری تحفہ علامہ اقبال کی نظموں کی ایک خوبصورت مصور کتاب تھی بہت سے ہندستانی صحافی جو ان سے مل چکے ہیں

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

قدرتی ٹیپ ریکارڈ

ڈاکٹر ابراہیم رادی — ترجمہ شکیل الرحمان پیامی

انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں اور اس کے اقوال و افعال کو کسی کتاب میں قلمبند کرنا ایک ناممکن سی بات ہے۔ فلمی ریل کے ذریعہ بھی اس کو سمیٹا نہیں جاسکتا، کیونکہ اسمیں تصویر کے ساتھ آواز اور ظاہری حرکات و سکنات تو محفوظ کئے جاسکتے ہیں لیکن اندرونِ قلب میں موجزن ہونے والے خیالات و جذبات کو محفوظ نہیں کیا جاسکتا اور نہ مادی وجود سے ماوراء اشیاء کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ وہ ہستی تو بس خدا ہی کی ہے جس کا علم ہر ہر شئی کو محیط ہے:

إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ — سورۂ بقرہ آیت ۲۸۴

ترجمہ: "تم اپنے دل کی بات کو ظاہر کروگے تو، یا چھپاؤ گے تو، خدا تم سے اس کا حساب لے گا۔"

ہر فرد کی زندگی میں پیش آنے والے ہر ہر جزئیہ کو خداوند قدوس کے قائم کردہ نظم ربانی کے تحت ہی محفوظ کیا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ قادر مطلق نے روئے زمین پر بسنے والے ہر فرد و بشر کے ساتھ ملائکہ کو مقرر فرمادیا ہے جو اپنے فرائض کے مطابق بندوں کے تمام افعال خیر و شر نوٹ کرتے رہتے ہیں۔

عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (سورۂ ق ۱۷، ۱۸)

"جو دائیں بائیں (فرشتے) بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں (جو ان کے منہ سے نکلے) کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے (جو اسے لکھ لیتا ہے)"

اور انسانی زندگی کے ساتھ ہی اس کتاب کی تالیف بھی مکمل ہو جاتی ہے جو حیاتِ بشری کی مکمل داستان ہوتی ہے اور آسمان کی جانب چڑھنے والی روح کے ساتھ مرتبط رہتی اور وہاں جاکر روزِ محشر تک کے لئے غیب کے رجسٹر میں محفوظ کردی جاتی ہے، جس دن کہ اس دنیا میں کئے گئے تمام اعمال کا پورا پورا محاسبہ اور صحیح صحیح محاکمہ ہو جائے گا۔ وہ کتاب ایسی زبان میں لکھی ہوئی اور ایسے صفحات پر مدون ہوگی جن کو پڑھا لکھا، غیر پڑھا، عالم و جاہل، عربی و عجمی ہر ایک پڑھ لے گا، اور ہر شخص معلوم کرنے کے جذبہ سے اپنے نامۂ اعمال کھولے گا، مگر کراماً کاتبین کی چابک دستی و باریک بینی اور ان کے اخلاص و امانت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائے گا، اور زبانِ قال سے یوں گویا ہوگا۔

مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا۔

"یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے اور جو عمل کئے ہونگے سب کو حاضر پائیں گے۔"

دورِ حاضر کے سائنسدانوں کی تحقیقات کی روشنی میں یہ اشارات ملتے ہیں کہ فضاء میں ایتھر کے ایسے مقناطیسی طبقات پائے جاتے ہیں، جو انسانی سروں کے تھوڑے ہی اوپر سے شروع ہو جاتے ہیں اور وہ ہزاروں لاکھوں سالوں سے انسانوں کے کلام کو ریکارڈ کرتے اور ایتھر کے طبقات میں محفوظ کرتے چلے آرہے ہیں۔ جیسے مقناطیسی فلم صدیوں سے انسان کی آوازوں کو خاص قسم کے ٹیپ میں محفوظ کررہی ہو۔

سائنسداں حضرات کو توقع ہے کہ ایک دن آئے گا جب انسان کے مختلف زبانوں میں بولے گئے ہزاروں سال پیشتر کے کلام کا تحلیل و تجزیہ کیا جاسکے گا، جس کو ایتھر کے مقناطیسی طبقات نے دنیاوی زندگی میں لوگوں کے سروں پر محفوظ کر رکھا ہے۔ اگر سائنسداں اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے تو موجودہ دور کے لوگوں کے لئے جبرالٹر (جبل طارق) کی ہنگنائے پر مشین رکھ کر وہاں پائے جانے والے ایتھر کی لہروں کی تحلیل کرنا، اور چودہ سو سال پہلے کی گئی حضرت طارق بن زیاد کی تقریر کو ان ہی کی آواز اور لب و لہجہ میں سننا ممکن ہو جائے گا۔

ایتھر کے طبقات بنی نوع انسان کے کلام کو ریکارڈ کرنے میں دن رات معروف ہیں اور جب وہ وقت آئے گا کہ طویل صدیوں کے محفوظ کلمات کا تجزیہ کیا جائے تو ایک شخص اپنے دادا کے پرانے چھت پر مشین رکھ دے گا اور دادا و والد وغیرہ کے بچپنے سے لے کر جو بوڑھی باتیں سن لے گا، اور انسان بہت جلد اس حقیقت تک پہونچ جائے گا کہ ہزاروں سال پہلے بھی لوگوں کے کلام کا بیشتر حصہ (جس کو ایتھر کے طبقات محفوظ کئے ہوئے ہیں) اسی طرح کے لہو و لعب، مزاق و تفریح، بغض و عداوت، خون خرابہ اور فخر و افتخار کی باتوں پر مشتمل ہے جس طرح کے مظاہر آج اخبارات و رسائل، اور ریڈیو و ٹی وی پیش کرتے ہیں، قرآن عظیم نے صدیوں پہلے انسانوں کے کلام کی حقیقت ہمارے سامنے واضح کردی تھی۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۔

(النساء آیت نمبر ۱۱۴)

ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہوسکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔

کہ بس تین ہی میدان ہیں، جسمیں انسانوں کا کلام سنجیدہ، تعمیری اور نافع ہوسکتا ہے، اس سے ہٹ کر لہو و لعب، تضییع وقت اور بلافائدہ اپنی قوت صرف کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

پہلا میدان یہ ہے کہ دنیا کے اقتصادی معاشی اور رفاہی مسائل کو حل کرنے اور عالم کے اندر امن و آشتی اور سکون و وقار کا غلغلہ بلند کرنے کے لئے کلام کیا جائے۔

دوسرا موقعہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت ایمان و عقیدہ کی اشاعت، صالح معاشرہ کے قیام اور روئے زمین پر احکام خداوندی کے نفاذ و اجراء کے لئے اپنی زبان کا استعمال کیا جائے۔

اور تیسرا محل یہ ہے کہ اس عالم آب و گل سے شر و فتن کا خاتمہ کرنے، جنگ کی آگ بجھانے، بغض و عداوت اور ظلم و فساد کا قلع قمع کرنے کے لئے شخصی، جماعتی اور ملکی پیمانہ پر کوشاں رہا جائے۔

اگر ایک شخص صرف ایک ہفتہ تک اپنی تمام گفتگو کو ریکارڈ کرتا رہے اور پھر عمر کی اس مختصر ترین مدت میں کی ہوئی باتوں کو سنے تو وہ محسوس کرے گا کہ کتنے زیادہ اوقات اس نے لغویات میں گذارے ہیں، جن سے کوئی فائدہ پہونچنے والا نہیں بلکہ الٹے وہ وبال جان ثابت ہونگے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد نبوی ہے: مَنْ كَثُرَ كَلَامُهُ كَثُرَ ذَنْبُهُ

جو باتیں زیادہ کرنے کا عادی ہو اس سے گناہ بھی زیادہ سرزد ہوتے ہیں،

قُلْ خَيْرًا أَوْ اصْمُتْ، کچھ کہنا ہو تو کام کی بات کہا کرو۔ ورنہ خاموش رہا کرو۔

هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ

انسانوں کو زبان سے نکلی ہوئی باتوں کی وجہ سے ہی چہرہ کے بل گھسیٹ کر جہنم رسید کیا جائے گا۔

کائنات کے اندر کئے گئے حیرت انگیز انکشافات اور خالق کائنات کی عطا کردہ عقل کی مدد سے عجیب و غریب مشینوں کی ایجاد کرکے اس صدی کے انسانوں کی قابو یافتہ اور نفع بخش چیزیں اس حیرت ناک خاکہ عظمت و مہارت کا بین ثبوت پیش کررہی ہیں جو قوت ربانی کی بنائی ہوئی ہیں۔

اور پر اسرار و بدن کائنات کے محیر العقول اشیاء کے متعلق نئے انکشافات کررہے ہیں، اور وہ اشیاء زمین و آسمان کی اس لامتناہی شہنشاہیت میں اللہ تعالے کی محیط اور لامحدود طاقت و قوت کی حقیقت کو واضح کررہی ہیں جو نت نئے معجزانہ کارنامے کا ظہور کرواتی رہتی ہے

عقلِ انسانی نے ایسی کمپیوٹر مشینیں ایجاد کرلی ہیں جو اپنی مخصوص ساخت، حیرت انگیز ڈیزائن اور منظم عمل میں ایک عجوبہ کی مانند ہیں۔ لیکن جب آپ اس مشین کے اندر حساب لگانے والے پرزہ کا معائنہ کریں جو سکنڈ سے بھی کم وقت میں نمبروں کو جوڑتا ضرب کرتا اور تقسیم کرتا ہے تو آپ کو بس چند نقطے، چند لائنیں اور کچھ نقوش نظر آئیں گے۔ یہی حال الکٹرونک گھڑی اور موجودہ دور کی تمام مشینوں کا ہے، ان مشینوں میں سوائے اس کے کہ اللہ تعالے کے پیدا کردہ الیکٹرون کو قابو میں کیا گیا ہے اور اسی سے یہ کام لیا جاتا ہے، اور کچھ نہیں، جس طرح ایک نئے انسان کی پیدائش، جو بظاہر انسان ہی کے توسط سے ہوتی ہے مگر اس کا اصل مادہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہوتا ہے

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۔

(الواقعہ آیت نمبر ۵۸، ۵۹)

"دیکھو تو کہ جس (نطفے) کو تم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو کیا تم اس سے انسان کو بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں"

اسی قبیل سے مصنوعی سیارے ہیں جو کائنات میں موجود اشیاء کے استعمال سے بنتے اور کام کرتے ہیں، ان میں جاذبیت، دوران اور آواز و شکل کو محفوظ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے مادوں سے وجود میں آتے ہیں، ٹیلی ویژن، ریڈیو، لاسلکی ٹیلیفون جو برقی، مقناطیسی، صوتی اور ضوئی موجوں کی تسخیر سے کام کرتے ہیں، شکل، صورت اور روشنی کو ایک بڑا عظم سے

(بقیہ: صفحہ ۲۰ پر)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بھٹکل آمد

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء، جناب مولانا معین اللہ ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء، جناب مولانا محمد رابع صاحب ندوی صدر شعبہ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء، اور الحاج عبدالکریم پاریکھ صاحب نے وسط جولائی میں بھٹکل کے احباب کے اصرار پر بھٹکل تشریف لے گئے تھے اس سفر میں حضرت مولانا کی مشغولیات گوناگوں تھی ان میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے طلبہ و اساتذہ سے خطاب، جامع مسجد بھٹکل میں اہل شہر سے خطاب، ٹینگن گنڈی اور مسجد نور میں خطاب اور قاضی محمد فاروق بھٹکل کی کتاب "دو ہفتے دمشق میں" کا اجراء شامل تھا۔

حضرت مولانا ۱۲ جولائی کو بمبئی سے براہ گوا بھٹکل پہونچے کیوں کہ بھٹکل کے قریب ترین ایرپورٹ منگلور کی سیٹیں دستیاب نہیں تھیں

اساتذہ سے خطاب

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ۱۲ جولائی کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل اور اطراف و جوانب کے اساتذہ سے خطاب کیا آپ نے فرمایا پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے اپنی قرب و رضا اور آخرت کی کامیابی کیلئے تعلیمی میدان کا انتخاب کیا ہے، دوسری یہ کہ "آپ تبلیغی میدان کے ایک سپاہی ہیں" اور یہ کہ "اس دین کو عام کرنے کی تمامتر ذمہ داریاں آپ ہی پر ہے" مولانا نے مزید فرمایا کہ۔

"نہایت اہم بات یہ ہے کہ آپ دولتِ علم سے اسلامی خدمت انجام دیں اداروں اور مساجد وغیرہ کی خدمت کریں ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم شرک و بدعت سے تعلق قطع کریں اور اللہ تعالی سے تعلق عبودیت قائم کریں۔

آپ نے تعلیمی میدان کا انتخاب فرمایا ہے

اس پر آپ اللہ کا شکر ادا کریں یہ میدان بہت مبارک ہے آپ اس پر شرمندہ نہ ہوں، متاسف نہ ہوں، شکر اللہ کو مطلوب ہے، شکر ایک مزاج کا نام ہے، صرف الحمدللہ کہنا کافی نہیں، یہ صرف وظیفہ نہیں۔ اس میں نیت کی تجدید ہونی چاہئے موجودہ دور میں نیت کا استحضار بہت کم ہوگیا ہے، آج کا ماحول یہ ہے کہ حج میں بھی یہ احساس کم ہوگیا ہے، روزانہ آپ نیت کی تجدید کریں آدھا ثواب اسی میں ہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ "آپ کے اندر طالب علم رہنا چاہئے، صلاحیت و استعداد پیدا کرنے کی حرص ہو

مولانا نے خود کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "آج میں جو کچھ بھی ہوں میری عربی کتابیں بھی جو آج ممالک عربیہ میں پڑھائی جاتی ہیں یہ سب میرے اساتذہ کا اثر ہے" آپ نے تعلیم کے معیار کو بلند کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا سب سے پہلے آپ نحو و صرف پر خاص توجہ دیں تاکہ طلبہ صحیح عبارت پڑھ سکیں۔ مدرسہ طالبعلم میں سب کچھ بننے کی استعداد پیدا کردیتا ہے اور یہی اسکا اصل کام ہے آخری چیز یہ کہ آپ کا جذبۂ قربانی اور زہد دیکھ کر طلبہ میں حرص پیدا ہو "طالب علم میں یہ احساس ہو کہ میرے اساتذہ میرے لئے ایثار کررہے ہیں، ہمارے بچپن بھی بڑے اساتذہ تھے وہ خود ہمارے لئے نمونہ تھے آپکے ذکر و تسبیحات اور مطالعہ طلبہ کے لئے مہمیز کا کام کرے

جامع مسجد بھٹکل میں اہل شہر سے خطاب

۱۳ جولائی کی شام کو جامع مسجد بھٹکل میں اہل شہر سے خطاب خطاب ہوئے ایک خاص امر کی طرف آپ نے توجہ مبذول کرائی آپ نے فرمایا "آپ کا اپنے شہر کو ایک مثالی شہر ہونا چاہئے، لوگ یہ کہیں کہ دیکھو یہ آئیڈیل شہر ہے دیکھو یہاں جرائم نہیں ہوتے آج دنیا کو اس کی ضرورت ہے آج اسلام کو مسجدوں میں دیکھنے والے موجود نہیں، مسجدوں میں ہم اور آپ (ایک دوسرے کو) دیکھتے ہیں بازاروں میں اسلام کو دیکھنے والے اصل ہیں۔ عبادت کا نمونہ بہت اچھا ہے، لیکن بات یہ ثابت کرنے کی ہے کہ بازاروں میں، آفسوں میں، اسکولوں اور کالجوں میں، ریلوں اور بسوں میں مسلمان کیسا اچھا ہوتا ہے لوگ کہیں کہ دیکھو یہ دوسروں کو آرام پہونچانے والا ہوتا ہے"

مولانا نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ "ہم سب کے حقوق ادا کرنے والے بنیں، اسراف، فضول خرچی اور نام و نمود نہ ہو، شادیوں میں فضول خرچی وغیرہ نہ ہو، رفاہی اور فلاحی کاموں میں پیسہ ڈالیں۔ منگلور سے بنگلور تک یہ بات مشہور ہو جائے کہ یہاں جھگڑا نہیں ہوتا، لاکھوں لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوئے ہیں، انڈونیشیا میں لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر مسلمان بنے باہر کی زندگی درست کیجئے، اندر کی زندگی تو فرض و واجب ہے مسلمان سب سے نرالے معلوم ہوں۔ امام زہری نے لکھا ہے کہ "مکہ کی ۱۳ سالہ زندگی میں اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے جتنے صلح حدیبیہ کے بعد لوگ دو سال کے عرصے میں مسلمان ہوئے کیوں کہ اس دور میں مسلمانوں کا مشرکوں سے جب میل جول بڑھا تو وہ مسلمانوں کے اخلاق و عادات و اطوار سے متاثر ہوئے اور مشرف با اسلام ہوئے

جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں مولانا کا شاندار استقبال ہوا، تلاوت تعارف اور طلبہ کے مختصر پروگرام کے بعد مشہور بھٹکلی جناب محمد حسین فطرت نے اپنی استقبالیہ نظم بڑی خوش الحانی سے سنائی

کہ جس کی ملت بیضا ہے مثل موج طوفانی
کہ جن کی ذات ہے اس دور میں فانوسِ لیلائی
اِدھر کارواں ملت بیضا جنہیں کہئے
تجلی آشنائے جلوۂ فردا جنہیں کہئے

جو اس جانب بھی فیضانِ نظر ایکبار ہو جائے
میں سچ کہتا ہوں فطرت کا بھی بیڑا پار ہو جائے
مجھے معلوم ہے آہ سحر میں کیا ہیں تاثیریں
بزرگوں کی دعاؤں سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آپ نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا آپ جامعہ کی حفاظت کریں، اسلام کا اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے پہلی وحی میں بھی قلم کے حقیر ٹکڑے کو فراموش نہیں کیا گیا، بڑے بڑے درخت تھے مبارک درخت، کھجور کا درخت، طوبی کا درخت لیکن اقْرَأْ مَا لَمْ يَعْلَمْ کہہ کر علم کے حدود کو وسیع کردیا اس میں علم ریاضیات آگیا علم فلسفہ و عمرانیات آگیا علم نفسیات و طبیعیات آگیا، غرض دنیا کا ہر علم اس کے دائرے میں آگیا ہمارے لئے جس طرح مسجدیں ضروری ہیں اسی طرح مدرسے بھی ضروری ہیں قرآن کا یہ کہنا کہ "انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ اس لئے علم کو متعدی ہونا چاہئے عالم کو معلم ہونا چاہئے، علماء کو انبیا کا وارث بنایا گیا ہے، انہیں زر و دولت کا وارث نہیں بنایا گیا وہ اصلاح معاشرت کا پیغام دیں، وہ اسلامی شریعت کی تعلیم دیں،

حضرت مولانا نے بمبئی منگلور ہائی وے پر بھٹکل کے قلب میں ایک نئی تعمیر شدہ مسجد جس کا نام مسجد نور ہے، عامۃ الناس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا حضرات! جس طرح زکوٰۃ اور حج کا معاملہ ہے، اسی طرح اخلاق اور معاشرہ کا تعلق ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ "میں اپنی امت کیلئے دو چیزوں سے ڈرتا ہوں۔ ایک

دولت سے "دوسری عورت سے" اسی دولت کی لالچ نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا۔ دولت سے نفرت نے ہمیشہ مسلمانوں کو عروج بخشا۔ وہ دن مبارک دن نہیں تھا جس دن جزیرۃ العرب میں پیٹرول نکلا "دولت اس وقت جزیرۃ العرب کے لوگوں کی بڑی آزمائش بنی ہوئی ہے وہاں جو غلط کمائی ہوتی ہے اس سے خاندانی رشتوں پر اثر پڑتا ہے وہ زمین جو عبادت کیلئے بنی تھی جس پر حضرت ابراہیمؑ نے یہ کہہ کر مہر لگا دی تھی کہ اب اپنی اولاد کو اس وادئ غیر ذی زرع میں لاکر چھوڑ دیا ہے یہ سبق حضرت ابراہیمؑ نے صرف اپنے اولاد کے لئے نہیں چھوڑا ہے انہوں نے ملک شام و عراق کو چھوڑا تھا۔ آخر کس لئے چھوڑا تھا انہوں نے اپنی اولاد کو اس بے آب و گیاہ میدان میں کیا دولت کمانے کے لئے لاکر چھوڑا تھا۔ یہاں صرف عبادت کے مقصد سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو لاکر چھوڑا تھا یہ ملت ابراہیمی ہے میں باوجود تکلیف کے یہاں کھنچے آیا ہوں کہ آپ اس بات کا خیال رکھیں۔ اس پاک سرزمین کا پیسہ پاک کاموں میں صرف ہو یہ نہ ہو کہ ہمارا معاشرہ بدل جائے، ہمارا معیار زندگی بدل جائے میں بدشگونی نہیں کرتا قرآن کہتا ہے کہ "جب ہمارا جی چاہتا ہے کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس بستی کے لوگوں کو من مانی کرنے کے لئے دولت دے دیتے ہیں"

اللہ نظر بد سے بچائے۔ آپ وہاں احترام سے جائیے اور وہاں کی دولت کو احتیاط سے خرچ کیجئے۔ شادی بیاہ، بے جا رسوم، بلند معیار زندگی، دکھاوا، چیز چھاڑ یہ باتیں خدا کی ناراضگی مول لینے والی ہیں آپ ہر قسم کی احتیاط سے کام لیجئے، اخلاقی و رفاہی کاموں میں صرف کیجئے یہ دنیا کے لئے بھی مفید ہے اور آخرت کے لئے بھی۔

حضرت مولانا اس سفر میں شیرالی اور ٹینگن گنڈی بھی گئے موخر الذکر میں لڑکوں اور لڑکیوں کے مدرسے میں چونکہ یہ شہر ساحل پر ہے اس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت

مولانا نے فرمایا: حضرات! آپ کو مبارک ہو کہ آپ سمندر کے کنارے پر دین کو سمجھنے کی خاطر اکٹھا ہوئے ہیں اور یہاں آپ نے ان مدارس کی بنیاد رکھی ہے جیسے سمندر میں روشنی کے مینار ہوا کرتے ہیں اسی طرح سمندر کے کنارے یہ مدارس دین کی روشنی کے مینار ہیں جب ایمان والے جنت میں جائیں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی ھدانا، شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں ہدایت دی چنانچہ میں کہتا ہوں کہ یہ مدارس اللہ کے رسول نے کنکشن پیدا کرنے والے ذرائع ہیں گویا آپ کا کنکشن اللہ سے جڑا ہوا ہے۔

اس قافلہ میں حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی صدر شعبہ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی مولانا کے ہمراہ تھے ان کے استقبال میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے طلبہ کی انجمن اللجنۃ العربیۃ کی طرف سے ۱۳ر جولائی کی شام کو استقبالیہ دیا گیا اس جلسہ میں الحاج عبدالکریم پاریکھ صاحب بھی جنہوں نے طلبہ کو اپنے مفید نصائح سے نوازا۔ جناب مولانا محمد رابع صاحب ندوی نے فرمایا،

یہ مدارس صرف علم ہی نہیں بلکہ شخصیت سازی کے کارخانے ہیں یہ ایسے افراد تیار کرتے ہیں جن کی اس ملت کو ضرورت ہے طلباء کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کو اپنے مقصد کے صحیح ہونے پر مکمل اعتماد اور کامل یقین ہو، وہ اپنے دل میں کسی قسم کا تردد بالکل نہ لائیں، اپنے آپ کو کچھ بنانے کی کوشش کریں یہ یاد رہے کہ آپ صرف فرد نہیں بلکہ آپ پوری ملت ہیں، زبان اور قلم کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ دور زبان و قلم کا دور ہے، اس دور میں ہر انسان کو اس ہتھیار سے مسلح ہونا چاہئے پتہ نہیں کب کیا خطرہ پیش آجائے ••

غزل

— ڈاکٹر عرفان بارہ بنکوی

حوصلوں میں اپنے تم یوں زندگی پیدا کرو
بیخودی کو چھوڑ کر جذب خودی پیدا کرو

خود بخود مٹ جائیں گی باطل کی سب تاریکیاں
شمع نورِ حق جلا کر روشنی پیدا کرو!

خوگر صبر و رضا ہونا اگر منظور ہے!
عیش و عشرت میں خدارا کچھ کمی پیدا کرو

چوم لے گی بڑھ کے بیتابانہ منزل خود قدم
شرط یہ ہے جذبۂ منزل رسی پیدا کرو

خالق کل پر بھروسہ کرکے اے عرفان تم
اپنے ایمان و یقین میں پختگی پیدا کرو

زلزلہ سے تباہ و برباد خاندانوں کی امداد کے لئے

امارت شرعیہ کی اپیل

جو لوگ محفوظ رہ گئے ہیں انہیں شکرانہ کے طور پر مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کرنی چاہیئے.

گزشتہ اتوار کو آنے اس صدی کے دوسرے سب سے بھیانک زلزلہ کے جھٹکے یوں تو پورے شمالی مشرقی ہندوستان میں محسوس کئے گئے لیکن اس کا مرکز شمالی بہار میں ہونے کی وجہ سے دربھنگہ، مدھوبنی، سمستی پور، مونگیر وغیرہ میں جان اور مال کا بڑے پیمانہ پر نقصان ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زلزلہ نے ۱۹۳۴ء کی تباہی و بربادی کی یادیں تازہ کردی ہیں۔ اخبارات اور ریڈیو کے مطابق تک بھگ چھ سو افراد ہلاک اور دس ہزار زخمی ہوئے ہیں پچیس ہزار مکانوں کو نقصان پہونچا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس اچانک سانحہ سے متاثرہ علاقوں میں مکمل طور پر افراتفری پھیل جانے کی وجہ سے پورے اعداد و شمار ابھی تک دستیاب نہیں ہیں۔ دور افتادہ گاؤں سے تفصیلات ملنے کے بعد نقصان میں مزید اضافہ کا امکان ہے۔

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے ذمہ داروں نے ابتدائی جائزے کے بعد صورت حال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد اور راحت رسانی کا انسانی فریضہ انجام دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

امارت شرعیہ کے نائب ناظم مولانا احمد حسین نے امارت کے ہمدردوں، مخلصین اور اہل خیر حضرات سے فوری اعانت کی اپیل کی ہے۔ چونکہ امارت کے تمام کارکن اور مبلغین حضرات متاثرہ علاقوں کے دورہ پر ہیں اس لئے ان کے پہونچنے کا انتظار نہ کریں اور انفرادی و اجتماعی طور پر رقوم فراہم کرکے فوراً بیت المال امارت شرعیہ کو روانہ کردیں۔ مساجد کے ائمہ حضرات سے گذارش ہے کہ نماز جمعہ میں لوگوں کو صورت حال کی سنگینی سے باخبر کریں اور ان کا انسانی فریضہ یاد دلائیں کہ جو لوگ اس تباہی و بربادی سے محفوظ رہ گئے ہیں انہیں شکرانہ کے طور پر اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد دل کھول کر حصہ لینا چاہیئے، بستیوں اور محلوں میں نوجوان کمیٹیاں بنا کر گشت کریں اور رقم فراہم کرکے "امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ" کے پتہ پر ارسال کریں۔ چیک اور ڈرافٹ پر صرف Baitulmal Imarat Shariah. لکھیں

بقیہ ص ۔ کا

صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔

یعنی انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"الا وھی القلب" یعنی آگاہ ہو جاؤ وہ قلب ہے۔

آج ہمارے قلوب بگڑ چکے ہیں، ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں، ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف باقی نہیں رہا، اللہ کی محبت باقی نہیں رہی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور خوف عجیب نعمت ہے جس بندے پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں نازل فرمانا چاہتے ہیں اس کو اپنا خوف اور اپنی محبت عطا فرما دیتے ہیں اور پھر اس کا کچھ اور ہی حال ہو جاتا ہے ہمارے اسلاف کہاں تھے اور ہم کہاں پہونچ گئے۔ میرا اپنا ہی ایک شعر یاد پڑا ہے

اسلاف سے نسبت نہیں کچھ بھی ہمیں واللہ
وہ اور کہیں رہتے تھے ہم اور کہیں ہیں

ہمارے اندر دنیا کی طمع، اور دنیا کی حرص و ہوس اور قسم قسم کے رذائل موجود ہیں ہمارے قلوب میں اللہ کی محبت رسول کی محبت، بزرگانِ دین کی محبت، اللہ سے تعلق اور نسبت، یہ چیزیں کمزور ہو گئی ہیں۔ اسی وجہ سے ہماری باتوں میں وہ اثر باقی نہیں جو ہمارے اکابر کی باتوں میں تھا، یہ وعظ و تذکیر بھی اللہ تعالیٰ سے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے، چنانچہ ایک بڑے بزرگ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ: جب کوئی عالم ربانی اور اللہ والا بیان کرتا ہے تو ایک ہی وعظ سے اس کو اللہ کا ایسا قرب نصیب ہوتا ہے اور اس مقام تک پہونچ جاتا ہے کہ ہزاروں برس کے مجاہدہ سے وہاں نہیں پہونچ سکتا کیونکہ وہ اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہے۔ جو انبیاء کرام علیہم السلام کا کام ہے۔ گویا وہ کار نبوت انجام دیتا ہے تو ظاہر ہے اس سے بڑھ کر کونسی چیز قرب کی ہو سکتی ہے

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بولنے کے لئے دل کی ضرورت ہے اور سامعین کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہمہ تن گوش ہو کر سنیں اور ایسا سنیں کہ اس پر عمل مرتب ہو مومن کی شان یہ ہے کہ وہ سنتا ہے اور اطاعت کرتا ہے۔ "سمعنا و اطعنا" کہتا ہے اور دل کو دل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رذائل سے پاک کیا جائے جس کو تزکیہ کہتے ہیں۔ اور قلوب کا تزکیہ خود سے نہیں ہوتا بلکہ تزکیہ کیا جاتا ہے تب ہوتا ہے بزرگوں کی توجہ اور ریاضت و مجاہدہ سے، اللہ کے ذکر و فکر سے قلب پاک ہوتا ہے اور دل دل بنتا ہے

پہلے زمانہ میں رسول و پیغمبر برابر آتے رہے اور اللہ کے بندوں کو دین کی دعوت دیتے رہے، لوگوں کے قلوب کا تزکیہ فرماتے رہے اور ان کے دل کو دل بناتے رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ اللہ کے آخری رسول ہیں، نبوت آپ پر ختم ہو گئی اب قیامت تک نہ کوئی رسول آئے گا نہ نبی آئے گا۔ البتہ ان کا کام جاری رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کام کو باقی رکھنے کے لئے علمائے ربانی اور اہل اللہ کو ان کا وارث بنایا، پس جب علماء و مشائخ انبیاء کے وارث ہیں تو ان حضرات کے ذمہ ہے کہ اس منصب کا حق ادا کریں اور کار نبوت کو انجام دیں، اللہ کے دین کی دعوت دیں، اللہ کے بندوں کو بیدار کریں، سوتوں کو جگائیں، غافلوں کو ہوشیار کریں امراض روحانی کو بتلائیں اور اس کا علاج تجویز فرمائیں۔ چنانچہ ہمارے اکابر نے اس خدمت کو انجام دیا اور کتنوں کو اللہ تک پہونچایا اسوقت حضرت خواجہ صاحب کا ایک شعر یاد پڑا جس کو میں نے ان کی زبان سے سنا ہے اور مجھے تو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ خواجہ صاحب پرتاب گڈھ تشریف لائے تھے تو مجھ سے یہ فرمائش کی میرا کلام آپ اپنی زبان سے سنا دیں، چنانچہ میں بہت سنایا، اور خواجہ صاحب بہت خوش اور مسرور ہوتے تھے، ان کا جو شعر اس وقت پڑھنا چاہتا تھا وہ یہ ہے۔

مجذوب نارسیدہ کو واصل بنا دیا
ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنا دیا
نقش بتاں مٹایا دکھایا جمال حق
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

◉

واقعی اللہ والوں کی نگاہ میں ایسا اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف توجہ فرما دیتے ہیں اسے اللہ والا بنا دیتے ہیں، ان کی توجہ سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے لہذا اللہ والوں کی صحبت میں جاکر اپنے دل کو دل بنانا چاہیئے میرا اپنا ہی ایک شعر ہے

دوستو! کچھ آسان نہیں ہے
دل مشکل سے بنتا ہے دل،

بس آدمی اپنے کام میں لگا رہے، اپنے دل کو سنوارنے کی فکر کرے، ذکر و فکر میں مشغول ہو، اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے تو انشاء اللہ کامیابی ضرور ہوگی، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین

یعنی اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت) کے رستے ضرور دکھا دیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ: "جو ہماری راہ میں مشقت برداشت کرے گا اس پر ہم اپنے قرب کا راستہ کھول دیں گے"۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرب کا راستہ بتلانے ہی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے دنیا میں آکر کتنے مردہ قلوب کو زندہ کردیا ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور آپ کی پاک صحبت سے صحابہ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ ایمان لانے کے بعد جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر بھی دیکھ لیا تو اس مقام پر پہونچ گیا کہ بعد والے بڑے سے بڑے غوث اور قطب بھی اس مقام کو نہیں پہونچ سکتے اسی لئے حدیث پاک میں آتا ہے کہ صحابی کے اس ایک مد جو کے برابر جس کو انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے غیر صحابی کا احد پہاڑ کے برابر سونا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جو خلوص ان کے اندر تھا وہ بعد والوں میں نہیں ہو سکتا۔

بہر کیف صحابہ کرام کا مقام تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور اب صحابیت کے مقام تک رسائی ناممکن ہے کیونکہ جب نبوت ختم ہو گئی تو صحابیت بھی ختم ہو گئی۔ البتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائبین ہمیشہ موجود رہیں گے اور ان میں بھی بڑے بڑے مقامات والے ہوئے ہیں اور معرفت کے لحاظ سے ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بڑھ کر ہے اس کی وجہ بھی وہی ہے جو خلوص کے اندر ہے وہ غیر عارف میں نہیں ہوتا۔

اللہ کی معرفت بہت بڑی دولت ہے اس کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیئے اور جب تک دل کو رذائل سے پاک نہیں کیا جائے گا اس وقت تک اللہ کی معرفت نہیں حاصل ہو سکتی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ جب تک قلب رذائل سے پاک نہیں ہوتا اس کے اندر نسبت مع اللہ کی استعداد بھی نہیں پیدا ہوتی۔

بھائی! میں یہ کہتا ہوں اور اس میں خود اپنے کو بھی شامل کرکے کہتا ہوں کہ ہمیں اپنے دل کی نگرانی رکھنا چاہئے، اللہ والے ہر وقت اپنے دل کی نگرانی رکھتے ہیں وہ دوسروں کو دین کی دعوت بھی دیتے ہیں، وعظ بھی کہتے ہیں اور اپنی مجلس میں بیان بھی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو ٹٹولتے رہتے ہیں کہ ہمارے اندر عجب تو نہیں پیدا ہو رہا ہے، بڑائی تو نہیں آرہی ہے، بھائی یہ بہت نازک مقام ہے اور بہت ڈرنے کی چیز ہے، ہمیں اپنے دل کو دیکھنا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کو اپنے امراض نظر آنے لگیں اور علاج کی فکر پیدا ہو جائے اور یہ چیز بزرگوں سے تعلق کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔

اصغر صاحب گونڈوی اپنے شیخ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لئے ہوئے

اس کے بعد پھر کیا ہوتا ہے، وہ دولت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ مرضئ الٰہی کا تابع بن جاتا ہے جیسا کہ آگے فرماتے ہیں:

تصویر ہے کھنچی ہوئی ناز و نیاز کی
ہم سر جھکائے اور وہ خنجر لئے ہوئے